جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں۔

| | |
|---|---|
| نام کتاب | مودة فی القربیٰ |
| تقاریر | سید العلماء علامہ علی نقیؒ |
| تالیف | عابد عسکری فاضلِ قم |
| ترتیب نو | قلب علی سیال |
| کمپوزنگ | الحمد گرافکس لاہور (فضل عباس سیال) |
| ناشر | معراج کمپنی لاہور |
| تاریخ اشاعت | 2014ء |
| طبع | اوّل |
| قیمت | |

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# عرضِ ناشر

مکرمی ومحترمی_______________السلام علیکم ورحمۃ اللہ

''معراج کمپنی'' دینی کتب کی اشاعت کے حوالہ سے ایک جانا پہچانا ادارہ ہے۔ادارہ عرصہ دراز سے دینی کتب کی اشاعت میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ادارے کا مطمع نظر عوام تک بہتر اور سستے ترین انداز میں کتب کی ترسیل ہے۔اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ''مودۃ فی القربیٰ'' سید العلماء علامہ علی نقیؒ کی تقریروں کا عظیم مجموعہ ہے۔ جسے مولانا عابد عسکری نے اپنے زورِ قلم سے مزید سنوارا ہے اہل بیتؑ اطہار کی ایک حیثیت جناب رسولؐ خدا کے قربتداروں کی تھی اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف راستہ دکھانے والے ہیں۔امام شافعی کے بقول: اے اہل بیتؑ رسولؐ! آپؑ کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہے۔قارئین حضرات اس سے بھرپور استفادہ کریں۔

اُمید ہے آپ ادارہ ہذا کی اس کوشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور قرآن وعترت کی نصرت اور سید العلماء کی قدردانی کا حق ادا کرنے میں بھی کوشاں رہیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔والسلام

**معراج کمپنی لاہور**

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| پہلی مجلس | 6 |
| مودۃ فی القربیٰ | 7 |
| مصائب | 30 |
| دوسری مجلس | 33 |
| مودۃ فی القربیٰ | 34 |
| مصائب | 54 |

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْن اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدُ خَاتَمِ النَّبِیِّیْن وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْن اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِیْ کِتَابِ الْمُبِیْن وَھُوَ اَصْدَقُ الصَّادِقِیْن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ط

# پہلی مجلس

- علامہ محمد ابن طلحہ سافعی بقول، مسلمانوں نے پیغمبرؐ خدا سے سوال کیا کہ آپؐ کے قربتدار کون ہیں؟ آنحضورؐ نے فرمایا علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں بچے۔ (مطالب السئول)۔
- ''فاطمہؑ زنانِ جنت کی سردار ہیں'' سے جناب رسالتؐ مآب کی مراد یہ ہے کہ میری بیٹی اتنی باعظمت ہے کہ قیامت تک کی کسی عورت کو بھی جنت میں جانا ہو تو وہ فاطمہؑ کے پیچھے چل کر جاسکتی ہے، آگے چل کر نہیں جاسکتی۔
- آنحضورؐ جب کسی غزوہ پر جاتے تھے تو سب سے آخر میں جناب فاطمہ زہراؑ سے رخصت ہوتے تھے جب آتے تو سب سے پہلے فاطمہ زہراؑ سے ملاقات فرماتے تھے۔
- اگر آنحضورؐ نواسہ ہونے کی بناء پر اپنے سجدہ کو طول دیتے تو خلاف شان سجود ہو جاتا لیکن رسول نگاہ فرض شناس کی ترازو میں مرضیِ الٰہی کے معیار پر تول رہے ہیں ایک پلڑے میں نماز کو اور ایک پلڑے میں حسینؑ کو۔
- میں کہتا ہوں کہ جیسی نماز کربلا میں پڑھی گئی تاریخ عالم میں ویسی نماز کبھی اور کہیں پر نہ پڑھی گئی۔

# مودۃ فی القربیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ

کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ اپنی خدمات کا نہیں مانگتا،
سوائے صاحبانِ قرابت کی مودت کے۔

عمل کی بلندی وابستہ ہے شخصیت کی بلندی سے۔ اسلام میں شخصیت کی بلندی عمل ہی کی بلندی سے تو ہوتی ہے۔ یہ ایک جزو تھا۔ دوسرا جزو یہ ہے کہ تمام کائنات میں انبیاء افضل ہیں اور تمام سلسلہ انبیاء میں ہمارے رسولؐ بلند درجہ رکھتے ہیں اور سب سے افضل ہیں۔

ایک عام سوال جس کا بظاہر موضوع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نیک عمل زیادہ بلند ہے جس کے ساتھ کوئی معاوضہ شریک ہو یا وہ عمل خیر جس کے ساتھ کسی معاوضہ کا سوال نہ ہو۔ ہر شخص اس کا جواب یہی دے گا کہ وہ عمل بالاتر ہے جس کے ساتھ کوئی معاوضہ شریک نہ ہو اور وہ عملِ خیر اتنا اونچا نہیں ہے جس کے ساتھ کسی معاوضہ کا تصور ہو، معاوضہ ضروری نہیں کہ روپیہ پیسہ ہی ہو۔ انسان کو فائدہ پیش نظر ہو تو وہ بھی معاوضہ ہے۔ لیکن اگر عمل خیر کے ساتھ نہ کوئی فائدہ ہے، نہ کوئی معاوضہ ہے، صرف عمل خیر ہے۔ اس لئے

کہا گیا ہے کہ یہ نیک عمل ہے۔تو اس میں بلاشبہ بلندی زیادہ ہوگی۔

مثال کے طور پر پردہ شب میں سائل آیا آپ کے پاس، جو کچھ اس وقت تھا۔ وہ اسے دے دیا۔ مقدار تو کم ہے لیکن عمل بے لوث ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یہ اخباروں میں شائع نہیں ہوگا اور اس بات کے بظاہر اسباب نہیں ہیں کہ یہ کسی وقت مجھے صلہ دے۔ اس کو شہرت نہیں ملے گی۔ اس کا چرچا بھی لوگوں تک نہیں پہنچے گا۔ جو کچھ دیا ہے، بے غرضی کے ساتھ دیا ہے۔ یہ مقدار قلیل ہوگی مگر عمل بلند ہوا۔ دوسری طرف فرض کیجئے کہ حکومت نے چندہ کا مطالبہ کیا ہے۔ بڑے کارِ خیر اور نیک مقصد کے لئے ہے۔ اس کے لئے اجتماع ہوا ہے۔ اس اجتماع میں ایسے ایسے لوگ بلائے گئے ہیں جن کا اس مقصد کے لئے مدد دینا وقیع ہو۔ بلاشبہ وہ لوگ جو دیں گے۔ وہ بہت ہوگا بلکہ شاید پوچھ پوچھ کر دیا جائے کہ کس نے کتنا دیا؟ اس لئے اس سے زیادہ دینے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر معلوم ہے کہ فہرست عطایا کی اخباروں میں شائع ہوگی۔ حکومت کے ریکارڈ میں بھی محفوظ رہے گی۔ غرض یہ کہ جو اس وقت دیا ہے، نہ جانے کس کس وقت کام آئے گا۔ تو یہ مقدار تو زیادہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ بہت سے معاوضوں کا تصور ہے۔ اس میں ہر ضمیر محسوس کرتا ہے کہ اتنی بلندی نہیں ہوگی۔ اس سے یہ فیصلہ ہوجاتا ہے کہ عمل کی بلندی یا پستی مقدار عمل سے وابستہ نہیں ہے۔ لہٰذا کسی ضربت کو اگر ترجیح دے دی جائے، کسی وقت ثقلین کی عبادت پر، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

بس ہر ایک نے اس کا جواب یہی دیا کہ جس میں معاوضہ شریک ہو،

وہ عمل خیر اتنا اونچا نہیں ہوتا جتنا وہ کہ جس میں معاوضہ کا تصور نہ ہو۔ ہمارے سامنے قرآن مجید میں تمام انبیاء کی آوازیں ہیں۔ روایات نے نہیں پہنچائیں، اس قرآن مجید نے پہنچائی ہیں۔ قرآن مجید میں تذکرہ ہے ہر نبی کا۔ ہر ایک یہ کہہ رہا ہے:

"قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا"۔

میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔

اور بس اس کے بعد خاموش ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کوئی اجر نہیں، کوئی معاوضہ نہیں ۔ ایسے ایسے انبیاء جو اولوالعزم نہیں ہیں، صاحبِ شریعت و کتاب نہیں ہیں بلکہ نبی ہیں۔ رسول ہونا ان کا ثابت نہیں مگر قرآن مجید میں ان سب کی صدائیں ہیں کہ:

"لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا"۔

''میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا''۔

جنابِ نوحؑ یہی کہتے ہیں اور جنابِ شعیبؑ یہی کہتے ہیں۔ جو نبی ہے، وہ یہی کہہ رہا ہے، اس کو تلاش کر لیجئے سورہ قصص میں بھی یہی ہے، سورہ انبیاء میں بھی ہے، سورہ ھود میں بھی ہے۔ جو نبی ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا اور اس کے بعد چپ ہو جاتا ہے، خاموش ہو جاتا ہے اور ہمارے نبیؐ جو افضل المرسلین ہیں وہ شروع تو یونہی کرتے ہیں کہ:

"لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ"۔

وہی الفاظ ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔ جب ہم نے یہ الفاظ سنے تو ہم کو کوئی تعجب نہیں ہوا کہ جو ہر نبی نے کہا، جو ہر رسول نے کہا، وہی یہ بھی فرمائیں گے اور وہی فرمانا چاہئے ان کو کیونکہ قرآن مجید میں کہا ہے کہ کہہ دیجئے۔ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا تو نہیں ہوں یعنی جو سب کی تعلیم رہی ہے، وہی میری تعلیم ہے۔ اس لئے جو سب کا پیغام ہے، وہی میرا پیغام ہے۔

تو جس طرح ان کا پیغام تھا، اسی طرح کا ان کا بھی پیغام ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ جو سب فرما چکے ہیں، اسی طرح یہ بھی فرما رہے ہیں، ان کو اسی طرح سے فرمانا چاہئے لیکن اب بظاہر حیرت کی بات ہو جاتی ہے کہ ہر نبی ''اَجْرًا'' کہہ کر چپ ہو گیا تھا اور یہ تو افضل المرسلین ہیں اور جب افضل المرسلین ہیں تو ان کا کردار بھی سب سے بالاتر ہونا چاہئے۔ ان کا عمل بھی سب سے اونچا ہونا چاہئے۔ یہ ''اَجْرًا'' کہہ کر خاموش نہیں ہوتے۔ فن قرات و تجوید میں یعنی قرآن مجید کی قرات کے جو اصول ہیں، کہ وقف کا معیار سانس ہے، اگر متکلم نے سانس لے لی تو وقف ہے اور اگر متکلم نے سانس نہیں لی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ کلام جاری ہے۔ ہر پیغمبر ''اَجْرًا'' کہہ کر سانس لے لیتا ہے، اس لئے بات مکمل ہو جاتی تھی اور یہ ہمارے پیغمبرؐ جو افضل المرسلین ہیں، یہ ''اَجْرًا'' کہہ کر سانس نہیں لیتے بلکہ فوراً ایک ''اِلَّا'' کہہ دیتے ہیں۔

پس ادھر ''اِلَّا'' کہا اور ہماری سمجھ میں آیا کہ کچھ نہ کچھ تو ہے۔ ابھی چاہے بعد کی بات ہم نہ سنیں کہ کیا ہے مگر صرف ''اِلَّا'' کا لفظ سننے سے ہماری

سمجھ میں یہ آ گیا کہ کچھ عجب ہے کیونکہ اس ''اِلَّا'' سے ہمارا سابقہ بہت دور سے پڑا ہے۔جس وقت کلمہ پڑھا، اسی وقت اگر ''اِلَّا'' کہہ کر چپ ہو جاتے تو دہریوں کا کلمہ ہوتا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہے ہی نہیں لیکن جب بات پوری نہیں ہوئی، اس کے بعد ''اِلَّا اللہ'' آ گیا تو پتہ چلا کہ خدا ہے،کون ہے؟ اللہ ہے۔اور آگے بڑھیئے:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ''۔

اگر اتنے پر ہی بات ختم ہو جاتی تو رسالت کی نفی ہو جاتی کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی نہیں۔مگر جب اس کے بعد:

''اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ''۔

''مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کے لئے ''۔

تو معلوم ہوا کہ بھیجا بھی ہے اور ہمہ گیر رحمت بنا کر۔'' اِلَّا '' کی خاصیت معلوم ہوگئی کہ یہ جب کسی عام بات کے بعد آتا ہے تو اس کے عموم میں شگاف پیدا کر دیتا ہے۔نفی کے بعد آئے گا تو ثبوت پیدا کر دے گا۔زمین نفی و ثبات میں انقلاب برپا کر دے گا۔ جو چیز نفی تھی، وہ اثبات بن جائے گی۔ وہاں تھا:لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ۔ پہلے نفی،''اِلَّا'' نے آ کر ثبوت فراہم کر دیا۔وہاں'' وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ''،نفی کر دی''اِلَّا'' نے آ کر کہ بھیجا ہے اور تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اسی طرح ''لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا'' وہ نفی کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا، بات یہاں ختم ہو جاتی،تو بے شک اجر کی نفی تھی لیکن

جب اس کے ساتھ ''اِلَّا'' آ گیا، ''اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ''، اس کے معنی یہ ہیں کہ نفی قائم نہیں رہی، کچھ اجر ہے۔ اجر کا ثبوت ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ ایک ساخت ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کلمہ توحید۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن، بالکل وہی ترکیب ہے۔ یہ کلمہ رسالت ہے اور ''لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ''، یہ کلمہ ولایت ہے۔

اب بعد میں جو کچھ کہا ہے، وہ نہ بھی سنتے تو ''اِلَّا'' کا لفظ بتاتا ہے کہ آگے اثبات ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ''اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ''۔ صاحبان قرابت کے معنی اپنے قرابت دار۔ ہم جو معنی سمجھتے ہیں، اسی کے مطابق ترجمہ میں کہتے ہیں کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں چاہتا سوائے اپنے قرابت داروں کی محبت کے۔

مسلمانوں میں ایک طبقہ نے یہ غور کیا کہ یہ بات شانِ رسالتؐ کے خلاف ہے کہ آپؐ اپنے قرابت داروں کی محبت کو معاوضہ قرار دیں اپنی خدمات کا۔ ''اِلَّا'' کو بیچ سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ مودت کے معنی لغت میں جو ہیں یعنی محبت، اس کو بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا پورا زور کلامِ قربیٰ پر صرف ہو گیا۔ چونکہ خیر خواہ مسلمان شانِ پیغمبرؐ کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں، انہیں خدا سے زیادہ پیغمبرؐ خدا کی شان کو محفوظ رکھنے کی فکر ہے، لہٰذا پوری طاقت قربیٰ کے مفہوم پر صرف ہو گئی کہ کسی طرح یہ اپنے عزیز نہ رہیں۔ لہٰذا کچھ اور ہو جائے۔

علمائے کرام دُور دُور کی کڑیاں لانے لگے۔ کچھ نے کہا کہ یہ مشرکین عرب سے کہا گیا ہے یعنی اب مسلمان مخاطب نہیں ہیں۔ یہ ایک احتیاطی طریقہ

ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوچنا نہیں ہے کہ ہم سے کچھ کہا جا رہا ہے۔ مشرکین مکہ مخالفین اسلام مخاطب ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ میں تم سے کچھ معاوضہ تو چاہتا ہی نہیں۔ مگر بھئی مجھ میں اور تم میں جو عزیز داری ہے، جو قرابت داری ہے، اس کا پاس اور لحاظ تو کرو۔ یہ علمائے کرام کے نزدیک شانِ رسولؐ کے مطابق بات ہے کہ وہ ابوجہل کو اپنی قرابت کا واسطہ دیں، ابولہب کو اپنی قرابت کا واسطہ دیں کہ بھئی میری قرابت کا لحاظ تو کرو۔ جو پیغام میں پہنچا رہا ہوں، اس کو اتنی بیدردی سے رد نہ کرو۔ میرے ساتھ جو رویہ اختیار کئے ہوئے ہو، یہ رویہ اختیار نہ کرو۔ گویا مشرکین کو اپنی قرابت کا واسطہ دیا جا رہا ہے۔ علمائے اسلام یہ مفہوم قرار دے رہے ہیں۔ اصولی حیثیت سے، بافہم مجمع سے میرا سوال ہے، معاذ اللہ، رسولؐ کا مطلب یہ ہو یعنی رسولؐ اپنی قرابت کا واسطہ دے کر انہیں دعوتِ اسلام دیں تو پھر ابوجہل کو کیوں حق نہیں ہے کہ وہ اپنی قرابت داری کا واسطہ دے کر یہ نہ کہے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہئے۔ جب اصول کی بات نہیں رہی، حقانیت کی بات نہیں رہی، قرابت داری کے لحاظ نہ کریں اور ہم آپ کی قرابت داری کا پاس کریں؟ آپ تو بیدردی سے ہمارے معبودوں کو نشانہ بنائیں اور ہم آپؐ کے ساتھ قرابت داری کا لحاظ سے رعایت برتیں۔

معاذ اللہ، رسولؐ ایسی بے اصول بات مشرکین مکہ سے نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے خود بتایا ہے کہ حق کے معاملہ میں قرابت داری کوئی چیز نہیں۔ ان کو حق کہہ کر پیش کرنا ہے یا قرابت داری کے واسطے سے، بنظر ترحم ان سے

منوانا ہے۔

غور فرمایئے! اصل مرکز سے ہٹانے کیلئے کتنی معقول اور غیر معقول کوششیں کرنا ضروری سمجھی جارہی ہیں کہ جو اصل مقصد ہے، وہ حاصل نہ ہو۔ یہ ایک رُخ تھا جسے کچھ لوگوں کے ضمیر نے قبول نہیں کیا۔ دوسرا پہلو یہ پیش کیا گیا کہ بے شک قرابت دار کہے گئے ہیں اور مشرکین سے خطاب نہیں ہے، مسلمانوں سے ہی ہے، مسلمانوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ میں تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ تم اپنے قرابت داروں سے محبت کرو۔ بس مقصد حاصل ہوگیا۔ بجائے رسول کے، وہ ہمارے قرابت دار ہوگئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سب کے بعد بھی وہ ''اِلَّا'' اپنی جگہ سے نہیں ہٹا یعنی رہا۔ تو کچھ نہ کچھ اب یہ کہ تم اپنے قرابت داروں سے محبت رکھو، دوستی رکھو۔ آیئے اس کو قرآن کے معیار پر جانچیں تو قرآن کریم کی ایک مہم یہ تھی کہ حق کی راہ میں قرابت داری کی محبت کو دلوں سے کھرچ کر دُور کرے۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ کسی جماعت کو، جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہے، تم نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے سے محبت کرے جو اللہ اور رسول کے خلاف ہے۔ چاہے وہ باپ دادا ہوں، چاہے وہ بیٹے ہوں، چاہے وہ شریکِ حیات ہوں، بھائی ہوں، قبیلے کے لوگ ہوں، کوئی بھی لوگ ہوں۔ یہ وہ ہیں جو صاحبانِ ایمان ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے باپ دادا کو، اپنے بھائیوں کو، اپنی اولاد کو اور ان اموال کو جنہیں تم جمع کرتے ہو، ان سب کو تم خدا، رسولؐ اور ان کی راہ میں خدمات انجام دینے سے زیادہ

عزیز رکھتے ہوتو پھر عذابِ الٰہی کے منتظر رہو۔

قرآن مجید، جس کی یہ مہم ہو اور اس وقت اسلام کی راہ میں یہی محبتیں رکاوٹ تھیں، ان کا استدلال قرآن کے خلاف یہی تھا، اسلام کے خلاف یہی تھا، پیغمبرؐ اسلام کے خلاف یہی تھا کہ ہم نے باپ دادا کو اسی راستے پر دیکھا ہے اور ہم اسی راستے پر چلے جائیں گے۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ ایک بھائی اگر حالتِ کفر میں ہے اور دوسرے بھائی کی سمجھ میں اگر اسلام آ بھی گیا ہے تو بھی وہ اس راستے پر نہیں آتا کہ بھائی کو چھوڑنا پڑے گا۔ اگر شریکِ حیات مسلمان ہونا چاہتا ہے اور زوجہ حالتِ کفر میں ہے تو اس کی محبت اس کے سدِ راہ ہوتی ہے۔

قرآن کی مہم یہ تھی کہ مسلمانوں کو حق کے معاملہ میں ان تعلقاتِ قرابت کو دل سے نکالنا ہے۔ تو کیا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنی خدمات کا معاوضہ یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے قرابت داروں سے محبت کرو؟ اب ایک اور اصولی بات ہے کہ ان میں سے کوئی قول ایسا نہیں جس کی تائید میں کوئی قولِ رسولؐ ہو، حدیثِ رسولؐ ہو۔ لیکن جو بحمد للہ ہم سمجھتے ہیں، اس کی تائید میں متفقہ طور پر حدیثِ رسولؐ موجود ہے۔ مسلمانوں نے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ! وہ قربیٰ کون ہیں؟

علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں لکھا ہے اور تفسیر کی کتابوں میں بھی ہے مسلمانوں نے پیغمبر خدا سے سوال کیا کہ یہ آپؐ کے قرابت دار کون ہیں؟ رسولؐ نے فرمایا:

"عَلِیٌّ وَفَاطِمَۃُ وَاَبْنَاھُمَا"۔

''علیؑ وفاطمہؑ کے دونوں بچے''۔

جب خود رسولؐ اکرم نے اس کی تفسیر کردی تو اب مسلمانوں کے خلاف سوچنے کا کیا حق ہے؟ مگر جو باتیں میں نے پیش کی تھیں، وہ تو اپنی جگہ پر رہیں کہ افضل المرسلین ہیں اور پھر ان کا کردار سب سے اونچا ہونا چاہئے۔ ہر نبی کہتا رہا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر ہمارے رسولؐ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر، اور ''مگر'' کے بعد اپنے قرابت دار اور قرابت داروں کے بعد ان کی محبت۔ تو کیا میں سمجھوں کہ اور تمام انبیاء کا عمل بے لوث تھا اور انؐ کے عمل میں (معاذ اللہ) غرض شریک ہوگئی۔ تو ان کا کردار اتنا اونچا نہ رہا۔ اگر کردار اونچا نہ رہا تو اس کے معنی ہیں کہ ان کی شخصیت دوسرے انبیاء سے اونچی نہ رہی۔ ہمارے سارے مسلمات بدل گئے۔ یہ مشکل کیوں پیش آرہی ہے؟

میں کہتا ہوں کہ یہ سب مشکل ایک لفظ کے نظر انداز کردینے سے پیش آرہی ہے۔ یاد رکھئے کہ ہر نبی نے خود اُمت سے خطاب کیا تھا، خود آئے اور کہا کہ میں کوئی اجر نہیں چاہتا۔ صالح آئے اور کہا کہ میں کوئی اجر نہیں چاہتا۔ نوحؑ آئے اور انہوں نے یہی کہا کہ کوئی اجر نہیں چاہتا۔ خالق نے بس قول کو نقل کر دیا۔ ہمارے پیغمبر بھی اگر منبر پر تشریف لے جاتے اور اپنی طرف سے کوئی خطبہ پڑھتے اور مسلمانوں کو پیغام اپنی جانب سے دیتے تو یہ بھی اتنا ہی کہتے جتنا ہر نبی نے کہا۔ یہ بھی کہتے کہ میں کوئی اجر نہیں چاہتا۔ مگر یہ کب آئے منبر پر؟ کب انہوں نے کوئی خطبہ پڑھا؟ کب انہوں نے قوم کو مخاطب کیا؟

وہ تو جس کے رسولؐ ہیں، اُس نے کہا: ''قُل''۔ اُس نے ارشاد کیا

کہ ''قُل''۔ کہئے اور یہ کہئے۔ الفاظ بھی اس کے سکھائے ہوئے، الفاظ بھی اس کے بتائے ہوئے اور اب اگر یہ اس کے رسولؐ ہیں تو اس میں تصرف جائز ہی نہیں۔ انہیں اس میں نہ کمی جائز نہ زیادتی جائز۔ جب اس نے کہا کہ یہ کہئے کہ:

''لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى''۔

کوئی اجر نہیں چاہتا اور اسی لئے تو قرآن کے ساتھ رسولؐ کی ضرورت تھی کہ اگر قرآن اس طرح اترتا مکتوبی شکل میں لکھا ہوا تو بیچ میں سانس لینا نہ لینا پڑھنے والے کا کام ہوتا۔ پھر خدا بھی اس کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے خدا نے قرآن کو بھیجا اور ایک سانس لینے والے انسان کو ساتھ بھیجا۔ اب جس طرح وہ قرآن کی صحت کا ذمہ دار ہے، اسی طرح اس کے پڑھنے کے طریقہ کا بھی ذمہ دار ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ کہئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، سوائے اپنے قرابت داروں کی محبت کے۔

اب آپ کو برا معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اپنے قرابت داروں کو کیسے کہہ رہے ہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ رسولؐ کب کہہ رہے ہیں اپنے قرابت داروں کو؟ یہ کب کہہ رہے ہیں اپنے قرابت داروں کیلئے؟ وہ کہلوا رہا ہے۔ اب رسولؐ سے قرابت داری نہ ڈھونڈیئے، اُس سے رشتہ ڈھونڈیئے۔

رشتہ کو قرابت کہتے ہیں۔ اللہ سے قرابت ڈھونڈیئے۔ قرابت کے لفظ سے کسی کو وحشت نہ ہو، جیسی اُس سے قرابت ہوسکتی ہے۔ آپ نماز میں کہیں ''قُرْبَةً اِلَى الله'' تو صحیح اور میں قرابت کہہ دوں تو غلط؟

اب اس سے سمجھئے کہ یہ ہستیاں فقط رسولؐ سے رشتہ نہیں رکھتیں، یہ اللہ سے بھی رشتے رکھتی ہیں۔تو اب جہاں جہاں ''قُلْ'' ہے:

''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ''۔

'' کہئے کہ اللہ ایک ہے''۔

تو اب اللہ کو ایک کہنا ان کا فرض ہوا یا نہیں؟

''قُلْ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ''۔

'' کہئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔

تو یہ کہنا ان کا فرض ہوا یا نہیں؟ وہ کہتا ہے کہ کہئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا،سوائے قرابت داروں کی محبت کے تو اب یہ کہنا ان کا فریضہ ہے یا نہیں؟ اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ ہمارے لکھنؤ والے تکلف سے کام لیتے تو میں کہتا ہوں کہ اگر اس تکلف سے کام لینا ہوتا تو جب اُس نے کہا تھا کہ کہئے کہ میں رسولؐ ہوں تو کہتے کہ پروردگار! اپنے منہ سے کیا کہوں کہ میں رسولؐ ہوں قرابت دار تو اصل میں اپنی وجہ سے قرابت دار ہوتے ہیں۔ اصل محبت تو ذات سے ہوتی ہے۔ جب کہا جاتا کہ آپ اپنی رسالت کی تبلیغ کیجئے تو کہتے کہ اپنے منہ سے کیا کہوں کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اس لکھنؤ کے تکلف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کوئی پوچھتا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں؟ تو رسولؐ فرماتے کہ میں کس قابل ہوں، یہ تو آپ کی محبت ہے۔

یاد رکھئے کہ خدا کی طرف کے عہدوں میں تکلف روا نہیں ہے۔ نبی

اور امامت کا کیا ذکر ہے، کسی مجتہد سے پوچھا جائے کہ آپ مجتہد ہیں؟ تو اگر واقعی مجتہد ہیں تو ان کو کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجتہد نہیں ہوں۔ یہ حقیقت خلافِ شانِ رسالت ہے کہ رسولؐ بارگاہِ الٰہی میں یہ کہیں کہ پروردگار! میں اپنے منہ سے کیا کہوں کہ میں رسولؐ ہوں۔ یہ اگر تکلف کرتے تو کیا واقعی رسولؐ ہوتے؟

ارشادِ الٰہی ہوتا کہ ماشاء اللہ! رسول آپ ہیں تو کیا آپ کی رسالت کی تبلیغ کیلئے کوئی اور رسول آئے گا؟ جب آپ رسول ہیں تو میری وحدانیت کا منوانا بھی آپ کا کام ہے اور اپنی رسالت کو منوانا بھی آپ ہی کا کام۔ تو جب اپنی ذات کے بارے میں ان کے لئے تکلف روا نہیں تھا تو قرابت داروں کے بارے میں تکلف کیونکر ہوسکتا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں کہ پروردگار! یہ میں کیونکر کہوں؟ اپنی بیٹی کیلئے کہوں، اپنے داماد کیلئے کہوں، اپنے نواسوں کیلئے کہوں؟۔

اپنے لئے کہہ سکتے تھے، اپنی بیٹی کیلئے کہہ سکتے تھے۔ ہاں! جیسے واقعی رسولؐ ہیں، ویسے ہی آپ کی بیٹی بھی اُس کے ہاں کوئی درجہ رکھتی ہے۔ آپؐ کا فرض ہے کہ کہئے اور اگر آپؐ کا داماد اور آپؐ کے نواسے اس کی طرف سے کسی منصب کے حامل ہیں تو جیسے اپنی رسالت کی تبلیغ کرنا آپؐ کا فرض تھا، ویسے ہی انکی امامت کی تبلیغ کرنا بھی آپؐ کا فرض ہے۔

ذرا نازک بات ہے کہ میں کہتا ہوں کہ جب اُس نے کہا کہ:

"قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي

الْقُرْبٰى"۔

"کہئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے قرابت داروں کی محبت کے"۔

واقعی یہ قرابت داروں کی محبت ان کی ان خدمات میں ہوگئی جن کا اجر یہ اسی سے لیں گے۔ اُس نے جب کہا:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"۔

تو یہ اُس کی توحید کا پیغام ہوگیا۔ اُس نے کہا:

"قُلْ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ"۔

"میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؐ ہوں"۔

تو ان کی رسالت کا پیغام ہوگیا۔ وہاں خلق خدا کو توحید کا قائل ہونا پڑا، یہاں رسالت کا قائل ہونا پڑا۔ اس کے بعد جب اُس نے کہا:

"قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"۔

"کہئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا"۔

دیکھئے! "قُلْ" یا کہئے کہ ساتھ جو بات آرہی ہے وہ اصولِ دین میں داخل ہے تو کہئے:

"هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"۔

توحید اصولِ دین میں۔ کہئے کہ:

"اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ"۔

تو رسالت جزوِ دین اور اب جب وہ کہہ رہا ہے:

"لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا"۔

تو جن ہستیوں کیلئے وہ کہہ رہا ہے، اُن کی ولایت بھی جزوِ دین ہوگی۔ وہ جو سلسلہ ہے، اس کی پہلی کڑی جو ہوگی، اس کا نام لے کر رسولؐ اس کی ولایت کا اعلان فرمائیں گے اور مراد وہ پورا نظام ہوگا جس کی یہ پہلی کڑی ہے۔ گویا پہلی کڑی کو ہاتھ میں دے دینا ہے خدا و رسولؐ کو کہ اب اس حلقہ تک پہنچ جاؤ گے تو پھر آگے بڑھتے چلے جانا۔ پورا سلسلہ تمہارے سامنے آجائے گا۔

تو یاد رکھیئے کہ اُس نے کہا:

"قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ"۔

انہوں نے تبلیغ کی، اللہ احد۔ ہم نے کہا:

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"

خدا نے کہا:

"قُلْ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلَیْکُمْ"۔،

''کہئے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؐ ہوں''۔

انہوں نے اس کی تعمیل میں کہا:

"اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہ"۔

''میں اللہ کا رسولؐ ہوں''۔

ہم نے فوراً کہا:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ"۔

اس نے کہا:

"قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی"۔

انہوں نے اس کی تعمیل کی کہ:

"لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی"۔

ہم نے کہا:

"عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ"۔

پس جب خدا نے کہا کہ کہئے، تو اب ان سے قرابت نہیں ہے، اُس سے رشتہ ہے۔ اسی طرح جو ہم نے رشتہ ملایا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، یہ بھی اللہ کی طرف رُخ۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' کا مرکز بھی اللہ اور ''عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ'' کہہ کر ہم رسولؐ سے کوئی رشتہ نہیں بتا رہے ہیں۔

رسول، رسول ہیں مگر عبداللہ کے بیٹے بھی ہیں، عبدالمطلب کے پوتے بھی ہیں، ہاشم کے پڑپوتے بھی ہیں۔ مگر کیا ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں، وہ اس لئے کہ ہاشم کے پڑپوتے ہیں یا عبدالمطلب کے پوتے ہیں یا عبداللہ کے بیٹے ہیں؟ کلمہ جو پڑھتے ہیں وہ اس لئے کہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ وہ الگ سے معلوم ہے کہ کس کے پوتے ہیں، کس کے بیٹے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ہستیاں بھی

بہت اونچی ہیں جن کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی بہت بلند ہیں جن کے پوتے ہیں۔ وہ بھی بہت بلند ہیں مگر ہمارا کلمہ پڑھنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کے بیٹے اور ان کے پوتے ہیں۔ ویسے ہی جس جس کو مانتے ہیں، وہ اس لئے نہیں مانتے کہ رسولؐ کی بیٹی ہیں، وہ رسولؐ کے داماد ہیں، رسولؐ کے نواسے ہیں۔ نہیں! ہم تو اس لئے مانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے جو منصب ہے، یہ اُس پر فائز ہیں۔ ان کی حیثیت دو طرح کی ہوگی، ایک رشتہ جو رسولؐ سے ہے اور ایک رشتہ جو خدا سے ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ فضائل اس لئے بیان کرتے تھے کہ وہ بھائی ہیں اور یہ بیٹی ہیں اور یہ نواسے ہیں۔ فضائل سب تسلیم، پیغمبرؐ خدا کی سب احادیث تسلیم، لیکن اس کی اہمیت کم کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کو بہت چاہتے تھے، اپنی بیٹی کو بہت چاہتے تھے، اپنے نواسوں کو بہت چاہتے تھے۔ اس طرح وہ فضیلت کی ساری حدیثیں گویا محبت پر مبنی قرار دے دی گئیں کہ یہ سب اپنے عزیزوں کی محبت تھی۔ فضائل اس لئے بیان کرتے تھے کہ بیٹی تھیں۔ تو ہم چاہے مانیں یا نہ مانیں، دنیا کے نزدیک تو بیٹیاں اور بھی تھیں۔

ان لوگوں سے میں کہتا ہوں کہ اگر پیغمبرؐ خدا فضائل بیٹی ہونے کی بناء پر بیان کرتے تھے تو ان بیچاری بیٹیوں نے کیا قصور کیا تھا کہ ان کیلئے کچھ بیان نہیں فرماتے؟ جنابِ والا! صحیح بخاری، جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، اس باب میں ہے، بابِ مناقبِ فاطمہؑ، مگر بنظر اختصار، بنظر احتیاط، بنظر مصالحت، کتنی نظروں سے، صرف تین احادیث ہیں یعنی پورے بڑے صفحے پر صرف

تین عدد حدیثیں ہیں۔ مگر وہ تین عدد بھی کیسی کیسی کہ فرماتے ہیں:

"سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ"۔

''یہ میری بیٹی زنانِ اہل جنت کی سردار ہے''۔

بہشت کی عورتوں کی سردار ہے، بہشت کوئی بنی ہاشم کی خاندانی جاگیر نہیں ہے۔ بہشت وہ ہے جو ایمان وعمل کی جزا کیلئے خلق کی گئی ہے، مہیا کی گئی ہے۔ تو اب بیٹی کو جو فرما رہے ہیں کہ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ ایک مکتبِ خیال رسولؐ کے اقوال وافعال کی بھی تقسیم کرتا ہے۔ بشریت اور رسالت میں کہ کچھ باتیں بحیثیت بشر فرماتے تھے، کچھ باتیں بحیثیت رسولؐ فرماتے تھے۔ جو بحیثیت بشر فرمائیں، وہ تو عام آدمیوں کی طرح ہیں، ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور جو باتیں بحیثیت رسولؐ فرمائیں، ان کی دینی اہمیت ہے۔ اس مکتبِ خیال کے لحاظ سے، اسی مکتب والوں سے پوچھوں گا کہ بہشت کے بارے میں جو بات ہے، وہ بشر کی حیثیت سے ہے یا رسولؐ کی حیثیت سے ہے؟

اہلِ جنت کی خبر ہو ہی نہیں سکتی۔ بھیجے گئے ہیں جنت کی اطلاعیں دینے کیلئے تو جنت کے بارے میں جو فرمائیں، وہ تو بحیثیت رسولؐ ہے، چاہے کئی ہزار باتیں بحیثیت بشر ہوں مگر جنت کے سلسلہ میں جو بات ہوگی، وہ تو بحیثیت بشر ہو ہی نہیں سکتی۔ بحیثیت رسولؐ ہی ہوگی۔ تو اب بیٹی کو جو فرما رہے ہیں کہ زنانِ اہلِ جنت کی سردار ہیں اور جنت خلق ہوئی ایمان وعمل کی جزا کیلئے تو ارشادِ رسولؐ کے معنی یہ ماننا پڑیں گے کہ جو میعار ہے جنت میں جانے کا، وہ

میری بیٹی میں اتنی بلندی پر ہے کہ قیامت تک کی کسی عورت کو بھی جنت میں جانا ہوتو وہ فاطمہؑ کے پیچھے چل کر جاسکتی ہے، آگے چل کر نہیں جاسکتی۔

اب نواسوں کے بارے میں جو احادیث ہیں، صحیح ترمذی کی حدیث کہ پیغمبرؐ خدا فرماتے ہیں:

"اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ"۔

یعنی ان افراد کے بارے میں کوئی حدیث جنت سے ادھر تو رکتی ہے ہی نہیں۔ ماں سردارِ زنانِ جنت اور نواسوں کیلئے فرمارہے ہیں کہ سردارِ جوانانِ بہشت۔

یاد رکھئے کہ اگر بچوں کی حالیہ عمر پیش نظر ہوتی تو بچوں کا سردار کہتے۔ جوانوں کا سردار کہنا خلافِ بلاغت تھا۔ یہ کب جوان ہیں جوان کی مدح میں کہا جائے کہ سردارِ جوانانِ جناں؟ بعد میں جوان ہونگے تو کہا جائے گا۔ اس وقت جوان کہاں ہیں؟ بہت دور ہے جوانی! اگر ارشادِ رسولؐ میں اس وقت کی عمر معتبر ہوتو سردارِ اطفالِ جنت کہیں، جنت کے بچوں کا سردار فرمائیں۔ لیکن جب یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ سردار جوانانِ اہلِ جناں، تو ماننا ہوگا کہ یہاں والی عمر سامنے نہیں ہے، بہشت والی عمر، بہشت والا دورِ حیات سامنے ہے۔ خود ہی فرما چکے ہیں کہ بہشت میں ہر ایک جوان ہی جائیگا تو آپ نے اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار بتایا ہے تو جناب! جو کوئی بھی بہشت والا ہے، چاہے جوان ہو، چاہے بوڑھا ہو، اگر جنت میں جانا ہے تو ان کی سرداری ماننا پڑے گی۔

صرف متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے اور پھر ایک ہستی جسے خود رسولؐ نے، ایک تتمہ ہے اس کا:

"اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَ ی شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ وَاَبُوْھُمَا خَیْرٌ مِنْھُمَا"۔

''یہ میرے دونوں بچے جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے بابا ان سے بہتر ہیں''۔

یوں کہئے کہ سرداروں کے سردار۔ اب یہ ہستیاں ہیں جن میں سے ایک ذووجہین ہے یعنی دورُخ رکھتا ہے۔ ایک رُخ رسولؐ سے قرابت کا اور ایک رُخ اللہ سے قرابت کا۔ اس لئے پیغمبرؐ کے افعال بھی دوطرح کے ہوگئے، کچھ اپنی قرابت سے اور کچھ اللہ کے رشتہ سے۔ بیٹی کو گلے لگانا اپنی قرابت کی بناء پر درست ہے۔ جب کسی غزوہ پر جاتے تھے، سب سے آخر میں جنابِ فاطمہ زہراؑ سے رخصت ہوتے تھے۔ جب آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہراؑ سے ملاقات فرماتے تھے۔ یہ بیٹی ہونے کی وجہ سے تھا۔

مگر حضور! تعظیم کو کھڑے ہونا، یہ تو اپنی بیٹی ہونے کا تقاضا ہی نہیں ہے۔ یہ عمل خود بتاتا ہے کہ فاطمہؑ صرف بیٹی نہیں ہیں، کچھ اور بھی ہیں۔ چونکہ میں جنابِ فاطمہؑ کی فضیلت کی ایک حدیث جو صحیح بخاری میں ہے، بیان کرچکا اور آپؐ کے ساتھ برتاؤ ہے، وہ بھی عرض کرچکا، میں نے عرض کیا کہ جب آپ سمجھتے ہیں کہ اور بھی بیٹیاں ہیں تو اتنی نہیں، اس سے کم درجہ کی کوئی حدیث؟ مگر

ان بیچاریوں کے بارے میں کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

میرے نزدیک تو دینی اہمیت اس چیز کی کوئی ہے ہی نہیں کہ اور بیٹیاں تھیں یا نہیں تھیں۔ یہ علم انساب کا مسئلہ ہے، علم تاریخ کا مسئلہ ہے۔ حضور! اور بیٹیاں ہوں یا نہ ہوں مگر نساء کے اندر تو ایک ہی تھیں۔ نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں مباہلہ کی منزل میں ایک ہی تھیں۔ سردارِ زنانِ جنت ایک ہی تھیں۔ تو ہوا کریں بیٹیاں۔ جب خدا اور رسولؐ نے انہیں اہمیت نہیں دی تو ہم انہیں کیوں اہمیت دیں؟

رہی دوسری شخصیت تو معلوم ہے مجھے کہ انساب کے لحاظ سے ان کے دو رشتے ہیں۔ نسبتی رشتہ بھی ہے، سببی رشتہ بھی ہے۔ نسبی رشتہ چچا زاد بھائی، تو حضور مسلمہ تاریخ کی بات ہے کہ اور بھی چچا زاد بھائی تھے۔ خود ان کے سگے بھائی ہیں۔ وہ کیا رشتہ میں فرق رکھتے ہیں؟ تین اور تھے، علیؑ تو عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ یہ تاریخ کی حقیقت ہے کہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ سب سے بڑے طالب، طالب سے چھوٹے جعفر اور جعفر سے چھوٹے عقیل، عقیل سے چھوٹے آپؑ اور ہر ایک میں دس دس برس کا فرق۔ طالب سے دس برس چھوٹے جعفر، جعفر سے دس برس چھوٹے عقیل، عقیل سے دس برس چھوٹے جنابِ امیرؑ۔ حضرت علیؑ رسولؐ سے تیس برس چھوٹے تھے۔ یہ دس برس کے تھے تو بعثت ہوئی، رسولؐ کی گود میں پلے تھے، اسی گود میں اسلام آیا تو ان میں اور اسلام میں وہ ربط ہوا جو ایک مربی کی آغوش میں پلنے والے دو بچوں کا ہوتا ہے یعنی اسلام نے آنکھ کھول کر ان کی صورت دیکھی۔

پس چچازار بھائی تو اور بھی تھے مگر ان میں سے کسی اور کے بارے میں احادیث کیوں نہیں ہیں؟ ان کے بارے میں احادیث ہیں، لیکن ہر ایک اپنی منزل میں ہے۔ طالب، طالب ہیں۔ جعفر، جعفر ہیں۔ عقیل، عقیل ہیں اور علیؑ، علیؑ ہیں۔ جو دوسرا رشتہ داماد کا ہے، ظاہر ہے کہ بیٹیاں ہیں تو داماد بھی ہوں گے۔ جو کسی بیٹی کو نہیں مانتا، وہ داماد کو بھی نہیں مانتا۔ جس کے نزدیک اور بیٹیاں، اُس کے نزدیک داماد بھی اور ہیں۔ جب داماد کئی ہیں تو اوروں کی فضیلت کی تعریفیں بھی ہونی چاہئیں لیکن نہیں ہیں۔

اچھا! جب بیٹی ہوگئی، داماد ہوگئے تو پھر نواسوں کی کیا کمی ہے؟ لیکن وہی جو بیٹی کے سلسلہ میں کہہ چکا کہ وہ سب ہوا کریں۔ سردار جوانانِ بہشت تو یہی دونواسے ہیں۔ یہ نواسے ہونے کا تقاضا نہیں ہے، ورنہ پھر کسی اور نواسے کیلئے کچھ اور ہوتا۔ یہیں سے علیؑ کی نماز کے بارے میں گفتگو ہوجائے، علیؑ نے انگلی سے اشارہ کردیا، وہاں بحثیں اٹھائی جاتی ہیں کہ رجوعِ قلب کے خلاف ہے۔ یعنی نماز ہے، خدا کی فکر ان کو ہے۔ جس کی نماز ہے، وہ تاجِ ولایت اسی سر پر رکھے دیتا ہے۔ ان کو فکر ہے نماز کی۔ انگلی سے اشارہ کیا۔ اس پر بہت مباحث ہیں کہ یہ خلافِ رجوعِ قلب تو نہیں ہے اور پیغمبرؐ نے جو سجدہ کو طول دیا، وہاں کسی صاحب نے بحث نہیں اٹھائی۔ ظاہر ہے کہ خبر ہوئی کہ کون پشت پر آیا، تبھی تو سجدہ کو طول دیا۔

میں کہتا ہوں کہ کردارِ رسولؐ کی بلندی کے لئے یہی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اگر اپنا نواسہ ہونے کی بناء پر طول ہوتا تو خلافِ شانِ سجود ہوتا لیکن

رسولؐ نگاہِ فرض شناس کی ترازو میں مرضیِ الٰہی کے معیار پر تول رہے ہیں، ایک پلڑے میں نماز کو، نہیں! عام رفتار نماز کو اور ایک پلڑے میں حسینؑ۔ اور حسینؑ کا وزن رسولؐ نے مرضیِ الٰہی کی ترازو پر تولا تو عام رفتار نماز پر ان کی خاطر داری کو، مرضیِ الٰہی کے معیار پر قابل ترجیح سمجھا۔ چونکہ ترازو کہا ہے، اس لئے ایک لفظ استعمال کروں گا، میں کہوں گا کہ یہ مقاصد الٰہی کے ماتحت حسینؑ کا وزن تھا کہ رسولؐ کا سر نہیں اٹھ سکا۔ پیغمبرؐ خدا کے پیش نظر تھا کہ یہ میری ایک وقت کی نماز اور اس کا سجدہ ہے اور یہ بچہ وہ ہے جس کی بدولت قیامت تک نماز قائم رہے گی۔ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ نے کربلا میں اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ میرے ساتھ میرے نانؐا نے جو بچپن میں کیا تھا، اُس کا میں حقدار تھا۔ جیسے تہہ خنجر یہ اُن کے پیش نظر تھا کہ نانؐا نے میری خاطر سجدہ جو طول دیا تھا تو سہی، جو یہی سجدہ ہو اور گلے پر خنجر ہو؟

اور یہ جو میں نے کہا کہ ان کی بدولت قیامت تک نماز قائم ہوئی، یہ میں نہیں کہہ رہا، ہم جو آئمہ کی سکھائی ہوئی زیارت پڑھتے ہیں:

"اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ"۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز کو قائم رکھا۔''

میں کہتا ہوں کہ نماز بھی جیسی کربلا میں پڑھی گئی، تاریخ عالم میں نہیں پڑھی گئی۔ پیغمبرؐ نے انؑ کیلئے سجدہ کو طول دیا۔ کوئی بتائے کہ نماز کے کسی عمل کو کب تک طول ہوتا ہے؟ ہر عمل کو طول ہوتا ہے جب تک دوسرا عمل نہیں ہوتا۔

رکوع ہوا اور قیام نہیں ہوا تو قیام کے وقت تک رکوع قائم رہا۔ قیام تھا اور پھر سجدہ میں نہیں گئے تو اس وقت تک قیام کو طول ہوا۔ یعنی طول ہوتا ہے جب تک اس کے مقابل دوسرا عمل وجود میں نہ آئے۔ رسولؐ نے جتنا طول دیا، وہ تو ہم کو معلوم ہے۔ اس کی پیمائش ہم کر سکتے ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ ستر مرتبہ ذکر سجود کی نوبت آئی۔ اتنی دیر طول دیا لیکن حسینؑ نے سجدہ کو کتنا طول دیا؟ میں نے کہا کہ کوئی عمل اتنا طول پاتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف عمل نہ ہو۔ بخدا! انہوں نے تو سر سجدہ میں رکھ دیا، پھر سر کو اٹھایا نہیں۔ اب اس سجدہ کی عمر میں کہاں بتا سکتا ہوں۔

میں حسینؑ کے عزاداروں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ خنجر یاد ہے اور سجدہ یاد نہیں؟ حالانکہ خنجر شمر کا تھا اور سجدہ حسینؑ کا ہے!

## مصائب

مجھے حیرت ہے کہ ایسا سجدہ حسین نے کیا اور ان کا لقب سید الساجدین نہیں ہے۔ امیر المومنین کے بے شمار القاب اور ان کے کیسے کیسے سجدے ہیں، ابودردا کو یقین ہوا کہ انہوں نے رحلت فرمائی، روتے ہوئے خانۂ سیدہ عالم پر تو ایسی عبادت اور ایسے سجدے، لیکن ان کے القاب میں سب کچھ ہے مگر سید الساجدین نہیں ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے القاب سید الصابرین، سید الشہداء ہیں مگر سید الساجدین نہیں ہے۔ لیکن ہمارے چوتھے امام نے کیسے عالم میں سجدے کئے ہیں کہ اُن کا لقب ہو گیا سید الساجدین۔ اس

کے معنی یہ ہیں کہ اس کے معیار پر سب سے بڑا سجدہ کرنے والے، طوق کی گرانی کے ساتھ سجدے ہورہے ہیں، زنجیر کو سنبھالتے ہوئے سجدے ہورہے ہیں۔ اب ایک بات آپ سے کہوں گا اہلِ عزا! آپ خوش نصیب ہیں کہ جب چاہتے ہیں امام کی مجلس کر لیتے ہیں اور سید الساجدین علیہ السلام۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ فقط زندانِ شام نہ تھا، عمر بھر ان کی قید خانہ میں گزری یعنی باپ کی مجلس وہ نہیں کر سکتے۔ کیا دل نہیں چاہتا؟ مگر تمنا تک بیان نہیں کرتے۔ ایک دفعہ زہری آ گئے، یہ بہت بڑے محدث ہیں۔ امام شہاب الدین زہری مگر دل کے گوشے میں اہلِ بیت سے کچھ عقیدت تھی، محبت تھی، آئے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں اور عرض کی: مولا! میرے ہاں تقریبِ شادی ہے، دل چاہتا ہے کہ میرے گھر کو آپ رونق بخشئے۔ دیکھئے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ جب بات آ گئی، انہوں نے درخواست پیش کی تو کہا: جب سے کربلا کا واقعہ ہوا ہے، میں نے شادیوں میں شرکت چھوڑ دی ہے۔ اس کے بعد ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اصرار کرنے پر واپس چلے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تمنا تھی، وہ جملہ امام کا دل میں گھر کر گیا تھا۔

اس لئے کچھ دن کے بعد آئے، عرض کیا: مولا! اس موقع پر جو آپ نے فرمایا، پھر میں کچھ کہہ نہیں سکا لیکن میری تمنا یہی ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ اب میں نے امام حسین علیہ السلام کی مجلس قائم کی ہے۔ جب یہ سنا تو حضرتؑ نے فوراً فرمایا: اب ہم آئیں گے۔ اب ضرور آئیں گے۔ ان کی پہنچ حکومتِ شام کے دربار تک بھی تھی، یہ کوئی گمنام آدمی نہیں تھے۔

لہٰذا بڑی احتیاط سے افراد منتخب کئے کہ کس کس کو مدعو کیا جائے تو خاص قابلِ اعتبار افراد ہو سکتے تھے۔ موالیانِ اہلِ بیت کو جمع کیا اور اس کے بعد معین وقت پر امام تشریف لائے۔ انہیں لے جا کر صدر محفل میں جو مناسب شان والی جگہ تھی، وہاں بٹھایا گیا۔ ذاکر منبر پر آ گیا اور اُس نے تذکرۂ کربلا شروع کیا۔ آپ مجلسوں میں اکثر سنتے رہے ہیں کہ سیدہ عالم تشریف لاتی ہیں، یہ ذکر ہو جاتا ہے، مجلس میں خاص تاثیر پیدا ہو جاتی ہے، چہ جائیکہ آنکھوں کے سامنے صاحبِ عزا، جسے پرسہ لینے کا ہے، وہ موجود ہو تو عالم یہ ہوا کہ کسی کو ہوش ہی نہ رہا۔ لوگ تاثراتِ غم میں اس طرح محو ہوئے، سب گریہ میں مصروف ہو گئے، مجلس ختم ہو گئی تو ذرا ہوش میں آئے، انہوں نے دیکھا کہ امام علیہ السلام اپنی جگہ پر نہیں تھے۔ گھبرا کر اُٹھے، اِدھر اُدھر دیکھا تو دیکھا کہ دروازہ کے پاس جہاں مومنین نعلین اُتارتے ہیں، وہاں امام تشریف رکھتے ہیں، آئے قدموں پر گر پڑے، مولا! میں تو وہاں بٹھایا تھا؟ آپ یہاں کیسے آ گئے؟

فرمایا: اے زہری! تمہاری نگاہ اُسی کو دیکھتی ہے جو بیٹھے ہوئے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کون کون اس مجلس میں ہے، میں نے اپنی جگہ یہی مناسب سمجھی۔

# دوسری مجلس

- امام شافعی کے بقول: اے اہل بیتؑ رسولؐ! آپؑ کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہے۔
- اگر حوادث زمانہ ہمیں محتاج کر دے تو ہمیں گھبرانا نہیں چاہئے کہ ہمارے پاس ولائے علیؑ کا خزانہ موجود ہے۔
- خدا کی قسم یہ وہ بارگاہیں ہیں جہاں پروانوں کی کثرت ہمیں ناگوار نہیں ہوسکتی۔
- اہل بیتؑ اطہار کی ایک حیثیت جناب رسولؐ خدا کے قربتداروں کی تھی اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف راستہ دکھانے والے ہیں۔
- جب اسلام پر مصیبت پڑی اور اس کو سب سے قربانی کی ضرورت پڑی تب بھی اس کو منتخب کیا گیا اس عظیم ترین قربانی کے لئے جسے کاندھے پر چڑھاتے، جسے سینے پر سلاتے تھے۔
- میں حالات کو دیکھتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ جتنی نواسوں کی ناز برداریاں تھیں وہ سب اسی لئے تھیں کہ یہ اسلام کے کام آئیں گے جس کی تبلیغ میرا فریضہ ہے۔

# مودۃ فی القربیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ

کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ اپنی خدمات کا نہیں مانگتا،
سوائے صاحبانِ قرابت کی مودت کے۔

خالق کریم اپنے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ اپنی خدمت کا نہیں مانگتا سوائے صاحبانِ قرابت کی محبت کے۔ میں نے عرض کیا کہ جب یہ ''اِلَّا'' درمیان میں آ گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خالق کی طرف سے حکم آیا ہے کہ آپ ایک اجر کا مطالبہ کریں اور وہ اجر ہے صاحبانِ قرابت۔ کچھ لوگوں نے گرائمر کی چھان بین سے ایک صورت نکالی کہ ''اِلَّا'' کا لفظ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ''اِلَّا'' استثنیٰ کیلئے ہوتا ہے اور استثنیٰ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک استثنائے متصل اور ایک استثنائے منقطع۔

استثنائے متصل تو یہی ہوتا ہے کہ ایک عام مفہوم ہے، کوئی چیز اس میں داخل تھی اور ''اِلَّا'' کے ذریعہ اُسے خارج کر دیا گیا، باہر نکال دیا گیا۔ کوئی اِلٰہ نہیں۔ اِلٰہ بھی داخل ہے اور ''اِلَّا'' نے اللہ کو اس نفی کے دائرہ سے

خارج کر دیا۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ہے۔ یہ ثبوت ہو گیا:

''وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ''۔

ہم نے نہیں، بھیجا ہی نہیں۔ اس میں بالکل ہی نفی تھی۔ ''اِلَّا'' نے بتایا کہ نہیں ''رحمۃ اللعالمین'' بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ مثالیں ہیں استثنائے متصل کی۔ استثنائے منقطع میں چیز داخل ہی نہیں ہوتی۔ وہ ایک علیحدہ چیز ہوتی ہے۔ بعد میں اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے، ''اِلَّا'' کے بعد۔ اس ''اِلَّا'' کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس دائرے میں کسی چیز کی کمی کی جائے اور اس کے اندر سے کسی چیز کو خارج کیا جائے۔ یہ ''اِلَّا'' جو ہے، اس کا ترجمہ ہو سکتا ہے، ہاں یہ بات ہے، اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ میں کوئی اجر نہیں چاہتا، ہاں! قرابت کا لحاظ کرو۔ یہ ''ہاں'''' کہہ کر ایک بات کہہ دی گئی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یہ اجر ہے۔ اس کوشش کا ماحصل یہ ہوا کہ اجر کے ثبوت والی بات باقی نہ رہی۔ اس کی مثالیں بھی دونگا کہ ''ہاں'' کے بعد جو بات کہی جائے، وہ پہلے جزو سے بالکل غیر متعلق تو نہیں ہو سکتی۔ کچھ نہ کچھ تو اس کا ربط ہوگا۔ مثال کے طور پر:

''جَآءَ مِنَ الۡقَوۡمِ اِلَّا حِمَارٌ''۔

''پوری قوم میرے ہاں آئی، ہاں! گھوڑے گدھے نہیں تھے''۔

کسی رئیس نے پورے شہر کی دعوت کی۔ دوسرے دن کسی سے اس کا حال اُس نے بیان کیا کہ تو یہ کہا کہ تمام قوم میرے ہاں آئی۔ ہاں! گھوڑے گدھے نہیں آئے یعنی گھوڑے گدھے قوم میں داخل ہی نہیں ہیں۔ تو ایسی چیز کو

کہا جو چیز پہلے جزو میں داخل تھی ہی نہیں۔ یہ تھی مثال استثنائے منقطع کی۔ دیکھئے! تمام قوم آئی۔ آنے ہی کے ذکر میں ہے گھوڑے گدھے نہیں آئے۔ یعنی جو بات پہلے تھی کہ آئے، وہی گھوڑے گدھوں کیلئے ہے، نہیں آئے۔ اس سے دراصل زور پہلے کلام میں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یعنی قوم تو پوری آئی لیکن گھوڑے گدھوں کو اگر سمجھ لو کہ قوم میں ہیں تو وہ بے شک نہیں آئے۔ رہا ذکر آنے کا، اُس آنے کی بات میں طاقت پیدا کرنے کیلئے ایک ایسی چیز کا نام لے دیا جس کا شمار کوئی بھی قوم میں نہیں کرے گا۔ مگر وہ بات رہے گی۔

اسی سے متعلق ''ہاں'' کہہ کر کوئی ایسی چیز نہیں کہی جا سکتی جس کا پہلے سے کوئی جوڑ نہ ہو۔ فرض کیجئے کہ کوئی یہ کہے کہ تمام قوم میرے ہاں آئی مگر میں کبھی بمبئی نہیں گیا ہوں۔ کوئی صحیح طور پر کلام کرنے والا کیا اسے صحیح سمجھے گا؟ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ آخر کا جزو پہلے جزو سے غیر متعلق ہو گیا۔ فرض کیجئے کہ کوئی شخص کہے کہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے مگر فلاں شہر کے لوگ بڑے شاعر ہیں۔ اب بتایئے کہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے، اس کا دوسرے شہر کے لوگوں کے اچھا شاعر ہونے سے کیا واسطہ ہے؟ یہ بات تو اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ بہت سے لوگوں کو ہنسی آ گئی۔ ایسی چیز جو عام کلام میں بے جوڑ اور نامناسب ہو، کیا (معاذ اللہ) کلامِ الٰہی میں اس کی مثال ہو سکتی ہے؟ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔ اب اجر ہی کے متعلق کوئی بات کہی جائے، تو اس کا جزو ہو گا اور میں کچھ اجر نہیں چاہتا، ہاں! اپنے قرابت داروں کا خیال رکھو۔ اگر اس کا اجر سے کوئی تعلق ہے تو پہلے کلام سے اس کا رابطہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ بس کسی بات کے نہ ماننے کی کوشش ہے۔ چاہے انکار بنے یا نہ بنے۔ کچھ نہ کچھ وجہ انکار بنانا ہی ہے۔اب آیئے قرآن مجید سے پوچھوں کہ پیغمبرؐ نے اجر مانگا ہے یا نہیں؟ اس توجیہہ کا خلاصہ تو یہ تھا کہ اجر مانگا ہی نہیں۔اب اگر قرآن کہے کہ اجر مانگا ہے تو پھر تو آپ مانئے کہ یہ ''اِلَّا'' ویسا ہی ہے جو ''اِلَّا اللہ'' میں ہے، جو ''وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ'' کے ساتھ ہے۔ پھر یہ وہی ''اِلَّا'' ہے،کوئی دوسرا نہیں ہے۔قرآن کی آیات پڑھتا ہوں، دیکھئے کہ اجر مانگا ہے یا نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگوں کے ذہن میں اعتراضات تھے کہ یہ ان کا اجر مانگنا خلافِ شان ہے، اس کا جواب قرآن مجید نے دوسری آیت میں دیا ہے۔ اوّل تو یہ کہ کب مانگ رہے ہیں، خدا کہہ رہا ہے کہ مانگو۔ دوسری آیت جس میں اس اعتراض کا جواب ہے۔ وہ حافظانِ قرآن کو تو یاد ہونی چاہئے۔خیر! اب میرے کہنے سے یاد کرلیں۔ یہ بھی خالق نے رسولؐ کی زبانی کہلوایا ہے۔وہ کیا ہے کہ:

''مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَلَكُمۡ ط'' سورہ سبا آیت نمبر 47

''ارے''میں نے جو اجر مانگا ہے، وہ تمہارے لئے ہی ہے''۔

کوئی ناظرہ خواں ہو، وہ تلاش کر کے دیکھ لے کہ قرآن میں یہ آیت ہے یا نہیں۔ جو حافظِ قرآن ہے، وہ یاد کر کے دیکھ لے کہ قرآن میں یہ آیت ہے یا نہیں۔

''مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَلَكُمۡ ط''۔ سورہ سبا آیت

نمبر47

''جو میں نے اجر مانگا ہے، وہ تمہارے ہی لئے ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ اجر کچھ مانگا ہے ورنہ یہ کہنے کے کیا معنی تھے؟ اب جو کچھ مانگا ہے، وہ کس آیت میں مانگا ہے؟ یا تو دوسری کوئی آیت پڑھے یا ''قُلْ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا'' کو مان لے۔ اس آیت سے اس آیت کو ملا کر نتیجہ نکالئے۔ یہ اس آیت نے کیا کہا؟ وہ آیت کہہ رہی ہے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے صاحبانِ قرابت کی محبت کے اور یہ آیت کیا کہہ رہی ہے؟ جو میں نے اجر مانگا ہے، وہ تمہارے ہی لئے ہے۔ یعنی نہ اپنے فائدہ کیلئے، نہ صاحبانِ قرابت کے فائدہ کیلئے، نہ اس سے میرا فائدہ ہے یعنی تم محبت کرو تو مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم محبت نہ کرو تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس کی مثال دوں۔ ظاہر ہے کہ یہ رسولؐ اور ذوی القربیٰ کی بات ہے۔ مگر میں اللہ تعالیٰ کی منزل سے چل کر اترتا ہوں، یہاں تک کہ منزلِ ارتقاء سے اتر کر ان کی منزل تک آتا ہوں۔ ارے کبھی ادھر والا اُدھر جاتا ہے، کبھی ستارہ اُدھر ٹوٹ کر ادھر آتا ہے۔

قرآن مجید کہہ رہا ہے:

''وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۵۵﴾''

یاددہانی کرتے رہیئے۔ وہ یاددہانی اہلِ ایمان کے فائدہ کا باعث ہے۔

اب جس جس چیز کی یاددہانی رسولؐ نے کی ہے، وہ ان کے فائدہ کیلئے

نہیں ہے جن کی یاد دلائی جارہی ہے، اہلِ ایمان کے فائدے کیلئے ہے۔تو سب سے مقدم یاد اللہ کی۔ انہوں نے اللہ کی یاد طرح طرح سے دلوائی۔ یادِ الٰہی کو جزوِحیات بنا دیا۔حضور! اسلام میں یادِالٰہی جزوِزندگی ہے۔ دوسرے مذاہب میں اللہ خاص اوقات میں یاد کیا جاتا ہے اور اسلام میں اللہ کو یاد رکھا جاتا ہے۔تو اللہ کے یاد کرنے سے کیا اللہ کا فائدہ ہے؟ کوئی بندہ اللہ کا تصور کرے کہ میرے یاد کرنے سے اس کا فائدہ ہے، بے نیازمطلق ذات۔، دنیا مل کر سر کو سجدے میں رکھ دے تو اس کے جاہ وجلال میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوگا اور تمام دنیا مل کر منکر ہوجائے تو اس کے جلال و جبروت میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی۔ اس کو یاد کرنا ہےتو اس کے فائدے کیلئے نہیں، بندوں کے فائدے کیلئے ہے۔

دوسری یادِ رسولؐ کے ذریعے خالق نے دنیا کیلئے فرض قرار دی، وہ خود رسولؐ کی یاد ہے اور اس رسولؐ کی یاد کیلئے رسولؐ کا ذکر جزوِاذان بھی، جزوِ اقامت بھی۔ جناب! اذان واقامت نماز کا لازمی جزونہیں ہیں۔ بڑی تاکید ہے مگر جزوِنماز نہیں ہے۔مگر خود نماز میں، درود میں کسی کو اختلاف ہو، حالانکہ امام شافعی نے جوان چار اماموں میں سے ہیں جن میں سے ہر ایک کی پیروی معیارِنجات مانی گئی ہے،تو وہ امام شافعی فرمارہے ہیں، اہلِ بیتؑ رسولؐ سے خطاب کرکے:

"کَفَا کُمۡ مِنۡ عَظِیۡمِ الۡقَدۡرِ اَنَّکُمۡ مَنۡ لَمۡ یُصَلِّ

عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ"

"اے اہلِ بیتؑ رسولؐ! آپ کی فضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ جو آپ پر دورد نہ بھیجے، اس کی نماز ہی نہیں ہے۔"

مگر خیر! پھر بھی کوئی مکتبِ خیال ایسا ہو جو درود کو ضروری نہ سمجھے تو دیکھئے کہ یہ درود سے پہلے جو تشہد ہے، اس تشہد میں جس طرح:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ"

کہنا ضروری،

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ"

اسی طرح

"اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰؐ اس کے بندۂ خالص اور رسولؐ ہیں"۔

تو اب ہر دعویدارِ ایمان مسلمان سے کہوں اور بغیر دعویٰ ایمان کے اسلام ہوتا ہی نہیں تو جو مسلمان ہے، وہ یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ کیا یہ تصور اسلام میں گنجائش رکھتا ہے کہ رسولؐ نے اپنے نام کو جزوِ نماز بنا دیا۔ یاد رکھئے! اگر یہ تصور ہوگیا تو اسلام گیا۔ کسی فرقہ کا ذکر نہیں، اس کی کسی فرقہ اسلامی میں قطعاً کوئی جگہ نہیں ہے۔ ماننا پڑے گا کہ رسولؐ کی یاد کو خدا نے جزوِ نماز بنایا۔ تو کیا اس سے رسولؐ کو فائدہ پہنچانا تھا؟ اگر نماز سے اللہ کو فائدہ نہیں تو نماز کے کسی

جز و سے رسولؐ کو فائدہ پہنچانا مدِ نظر نہیں ہے۔ جس طرح نماز سے نمازی کو فائدہ ہے، اسی طرح تشہد پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اس کا نمازیوں میں شمار ہوگا۔ رسولؐ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح خدا کی یاد سے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ،اسی طرح قرابت داروں کی محبت سے ان قرابت داروں کو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ایک آیت میں نے پڑھی:

"مَاسَئَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَلَكُمْ"۔

''جو میں نے اجر مانگا ہے، وہ تمہارے ہی لئے ہے۔''

یہ ''لام'' عربی میں نفع کیلئے ہوتا ہے۔ یعنی اہلِ بیتؑ کے نفع کیلئے نہیں ہے۔ ذوی القربیٰ کے نفع کیلئے نہیں ہے، تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے۔ مگر ابھی یہ غور طلب ہے کہ یہ فائدہ کونسا ہے؟ اہلِ بیتؑ رسولؐ کو دوست رکھو گے تو تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اب اہلِ بیتؑ رسولؐ کو دوست رکھنے سے ہمارا کیا فائدہ ہے؟ کیا بہت دولت مند ہو جائیں گے؟ تو صاحب مشاہدہ تو یہ ہے کہ اہلِ بیتؑ کے دوست زیادہ تر پریشان حال رہے۔ یہ کوئی بے سمجھی کی بات نہیں ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ہمارے دوستوں میں محسوب ہونا چاہے اُسے فقیری لباس پہننے کیلئے تیار ہو جانا چاہئے۔ وہ خدا کی نعمت سے دولت مند ہو بھی جائے مگر محبتِ الٰہی کی بناء پر تیار رہنا چاہئے کہ اگر حوادثِ زمانہ مجھے محتاج بھی کر دیں، تب بھی میرے پاس ولائے علیؑ کا خزانہ ہونا چاہئے۔

اس سے مجھے یاد آ گیا، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت

میں دوستانِ اہلِ بیتؑ میں سے ایک شخص نے ایک دن گویا ایک طرح کا شکوہ کیا۔ ہر شخص تو پہلے سے اتنا بلند نظر نہیں ہوتا، یہی حضراتؑ رفتہ رفتہ لوگوں کو بلند نظر بناتے تھے۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے اللہ سے شکوہ کر دیا تو اس نے امام کی بارگاہ میں ایک طرح کا شکوہ کیا کہ حضور! جتنے آپؑ کے دوست ہیں، سب فقر و فاقے میں مبتلا ہیں۔آپؑ نے فرمایا: اچھا! تم بھی فقر و فاقہ میں مبتلا ہو؟ عرض ہو؟ عرض کیا: کیا بتاؤں، کیا حال ہے؟ خود اپنے اوپر گزر رہی تھی، جبھی تو یہ احساس ہوا تھا۔آپؑ نے فرمایا: میں تو سمجھتا ہوں کہ بڑے دولت مند ہو۔

اُس نے کہا: حضورؑ! میں آپ بیتی عرض کر رہا ہوں اور دوسروں کا حال بھی مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے۔آپؑ نے فرمایا: نہیں، تم سوچ نہیں رہے ہو، تم سے بڑھ کر کون دولت مند ہوگا؟ اُسے پھر اسی طرح حیرت ہوئی۔آپؑ نے فرمایا کہ سچ بتاؤ کہ جو بڑے سے بڑا دولت مند ہے، وہ پوری دولت دے اور یہ کہے کہ ولائے اہلِ بیتؑ چھوڑ دو تو تم چھوڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ گے؟

اُس نے کہا: حضور! کتنی بھی دولت ہو، اُسے ٹھکرا دوں گا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ولائے آلِ محمدؐ کو چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا: پھر تم سے بڑھ کر کون دولت مند ہے؟

خالق نے اپنے نبیؐ سے کہہ دیا کہ جو اجر مانگا ہے، وہ تمہارے ہی لئے ہے۔تمہارے ہی فائدے کیلئے ہے۔تو فائدہ کیا؟ انہیں بہت دولت ملے گی؟ تو میں نے کہا کہ انہیں اس کے خلاف کیلئے تیار رہنا چاہئے۔مل جائے دولت تو اللہ کی نعمت ہے، لیکن دولت اس وِلا کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ سمجھے۔

عرب کے شاعر نے کہا ہے اور وہ حدیث سے بھی ثابت ہے:

"مَا اَحْسَنَ دِيْنٌ وَالدُّنْيَا اِذَا جْتَمَعَا"۔

کیا کہنا کہ دین و دنیا کسی کے پاس اکٹھے ہو جائیں۔ اسلام دین رہبانیت تو ہے نہیں کہ یہاں دین اس وقت تک نہ ملے جس وقت تک دنیا کو بالکل چھوڑ ہی نہ دو۔ یہ تو رہبانیت کے دین کا نظام ہوسکتا ہے، اسلام کا نظام یہ نہیں ہے۔ بہر حال یہ تو ہے نہیں کہ محبت اہل بیتؑ سے دولت بہت ملتی ہو، عزت بہت ملتی ہو۔ ظاہر ہے کہ اکثریت کی نگاہ میں تو گر جائے گا جب ان کے خلاف راستہ اختیار کرے گا۔ تو اہلِ دنیا کے ہاں عزت کہاں ملے گی؟ شہرت بہت ہو۔ ہاں! اُن کے نزدیک تو ہم گویا بدنامی کا مرکز ہیں۔ تو اگر بدنامی والی شہرت ہو تو ہوسکتی ہے لیکن جب دنیا اس نعمت کی قدر نہیں جانتی تو وہ اپنے درمیان شہرت نیک کیوں دینے لگی؟ تو گویا مبہم بات ہے کہ ہمارے فائدے کیلئے ہے۔ تو آخر وہ فائدہ کیا ہے جو اس سے ہمیں حاصل ہوسکتا ہے؟

دوسری جگہ یہ فائدہ قرآن نے بتایا ہے۔ سب آیات ایک دوسرے کی تشریح کر رہی ہیں۔ وہاں کہا کہ سوائے مودۃ فی القربیٰ کے کچھ نہیں چاہتا، دوسری جگہ بتایا کہ جو اجر میں نے مانگا ہے، وہ تمہارے لئے ہے، تیسری آیت میں تشریح ہوتی ہے کہ ہمارے لئے وہ کیا ہے تو ارشاد ہو رہا ہے:

"لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا"۔

اسی طرح کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا۔

"اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلاً"۔
''سوائے اس کے کہ کوئی اپنے پروردگار کی طرف راستہ ڈھونڈ نا چاہے''۔
اب سب کو ملا کر دیکھئے تو معلوم ہوا کہ اللہ کا راستہ اسی وقت ملے گا جب ذوی القربیٰ سے مودت ہوگی۔

اس لئے یہ تمام بحثیں برائے بحث ہیں ورنہ ضمیر اسلامی میں یہ راسخ ہے کہ یہ ذوی القربیٰ ہیں اور انہی کی محبت اجر رسالت ہے اور آیہ مودۃ سے یہی مراد ہے اور اس کا ثبوت وہ کتابیں ہیں جو علمائے اہلِ سنت نے خاص اسی موضوع پر ،اسی آیت کو سامنے رکھ کر کتابوں کے نام رکھے ہیں۔ میں ان کتابوں کے نام لیتا ہوں اور حقیقت میں تاریک مرقعوں ہی کو سامنے رکھنا ضروری نہیں۔ ایسے مرقعوں کو سامنے رکھنا بھی اتحاد بین المسلمین کیلئے ضروری ہے کہ قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام محمد ابن سلیمان بلخی قندوزی نویں صدی ہجری کے عالم ہیں اور قسطنطنیہ میں کتاب لکھتے ہیں اور اس کا نام کیا رکھتے ہیں: ''ینابیع المودۃ''،مودۃ کے سرچشمے۔''

یہ مودۃ کا لفظ ان کے ذہن میں کہاں سے آیا؟ آیۂ مودۃ سے۔ چنانچہ انہی ذوی القربیٰ کے مناقب میں کتاب ہے اور اس کا نام یہی ہے''ینابع المودۃ''۔کہاں سے نام آیا؟ اگر یہ آیۂ مودۃ کے یہی معنی ان کے ذہن میں نہ ہوتے اور جناب سید علی ہمدانی کشمیر میں مسلمانوں کی جتنی مردم شاری ہے، یہ

سب سید علی ہمدانی کی مرہونِ منت ہے۔ یہ جو اکثریت مسلمانوں کی کشمیر میں ہے، یہ سید علی ہمدانی کی تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ ان کی کتاب ہے کیا، اس کا نام بالکل قرآن سے لیا گیا: ''کتاب مودۃ فی القربیٰ'' المودۃ فی القربیٰ والی کتاب۔ اور اس میں انہی حضرات کے فضائل ومناقب ہیں۔ جدید دور میں مجھے معلوم نہیں کہ اس کی کوئی شرح لکھی گئی ہے یا نہیں۔

علامہ حائری کے والد بزرگوار مولانا ابوالقاسمؒ نے اس کا ترجمہ اور شرح فارسی میں کی تھی جو میری نظر سے گزری ہے۔ علامہ حائری قمی کہلاتے تھے۔ ان کے والد بزرگوار ابوالقاسمؒ قمی نے اس کا ترجمہ اور شرح فارسی میں لاہور میں کی تھی۔ ان کتابوں کے ناموں میں تو لفظ ہی مودۃ کا رکھا گیا ہے اب جو نتیجہ ہے، مودۃ کا، اس کیلئے کتابوں کے نام سنئے۔ کتابوں کے نام سے آپ لکھنے والوں کے اعتقاد کو بھی محسوس کیجئے۔ ہمارے ہاں فرنگی محل مرکز علم رہا ہے۔ وہاں کے عالم ملا محمد مبین کی کتاب منطق کی شرح ''سُلّم'' ایک وقت میں منطق میں داخل کورس رہی ہے۔ وہ ملا محمد مبین فرنگی محل کے تین سو صفحات کی کتاب لکھتے ہیں۔ اس کا نام ہے ''وسیلۃ النجات''۔ مناقبِ پنجتنؑ پاک میں ہے۔ یقیناً ان کے سامنے یہ آیت ہے:

''اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلاً''۔

''بس ان سے محبت کرو تا کہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ملے''۔

وسیلۃ النجات، نجات کا ذریعہ، نجات کا وسیلہ، اور حافظ محب الدین

طبری اور یہ حافظِ قرآن کے معنوں میں نہیں تھا بلکہ یہ علم حدیث کی اصطلاح تھی جس کو تیس ہزار احادیث بمع متن وسند یاد ہوں، وہ حافظ کہلاتا تھا۔ تو متاخرین میں حافظ محب الدین طبری اور ان کے بعد حافظ جلال الدین سیوطی۔ بس سیوطی کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جس کے نام کے ساتھ حافظ آتا ہو۔ یہ حافظ محب الدین طبری کی کتاب کیا ہے، اس کا نام بھی دیکھئے اور پھر اس کے موضوع پر جو اظہار کیا ہے، اس میں آیۂ مودۃ کو جھلکتا ہوا دیکھئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ذخائر العقمیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ۔

علامہ عبدالقادر عدیلی شافعی جو یمن کے عالم تھے، ان کی کتاب ہے ''ذخیرۃ المآل فی مناقب الآل''۔ مال یعنی انجام۔ انجام کا ذخیرہ انجام کا ذخیرہ اسی گھر پر ملتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر کہیں نہیں ملتا۔ ذخیرہ المال فی مناقب الآل۔ علامہ عبدالقادر عدیل شافعی کی کتاب ہے۔ ان ناموں سے آپ محسوس کر سکتے ہیں کہ لکھنے والے کا اعتقاد کیا ہے اور لکھنے والا آیۂ مودۃ کی کس تفسیر کا قائل ہے اور وہ ذوی القربیٰ کو سمجھتا ہے؟

یہ چند نام جو ذہن میں آ گئے، وہ پیش کر دیئے اور بھی یقیناً بکثرت کتابیں ہیں۔ اس سے مجھے بہت ہی کیف حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت کتابیں اس رُخ سے ہوتی تھیں کہ صرف تم ہی محبِ اہلِ بیتؑ نہیں ہو، ہم بھی محبِ اہل بیتؑ ہیں۔ دیکھو! بارہ اماموں کے مناقب ہم کو کتنے یاد ہیں۔ خدا کی قسم! یہ وہ بارگاہیں ہیں جہاں پروانوں کی کثرت ہمیں ناگوار نہیں ہوسکتی۔

یہاں تک کہ ہماری شدید ترین مخالفت میں لکھی جانے والی کتاب، سب

سے زیادہ کثیر الاشاعت کتاب، ہمارے فرقہ کی رو میں ہے، ''تحفہ اثناء عشریہ''۔ عام لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جماعتِ اثناء عشریہ کو بطور طنز ایک تحفہ دیا گیا ہے۔ ذہن میں تو یہی آتا ہے کہ تم پر طنز ہے کہ ایک تحفہ ہمیں دے رہے ہیں لیکن جو اس کتاب کو پڑھے تو اُسے دیباچہ ہی سے پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے۔ یہ اس کے ترجمے میں دیکھ لیجئے، اگر یہ بات ترجمے میں موجود ہے تو صحیح ترجمہ ہے، نہیں تو تصرف ہوا ہے۔ انہوں نے دیباچے میں لکھا ہے:

میں نے اس کتاب کا نام تحفہ اثناء عشریہ، آئمہ اثناء عشر کی تعداد کے مطابق تبرک کیلئے لکھا ہے۔ اسی لئے اس پوری کتاب میں بارہ باب لکھوں گا اور ہر باب میں بارہ فصلیں ہوں گی۔ شروع سے لے کر آخر تک بارہ اماموں کو یاد رکھوں گا۔ تو مخالفِ اہلِ بیتؑ بھی جب کتابیں لکھتے تھے تو ان کا انداز یہی ہوتا تھا کہ اہل بیتؑ کے دامن کو نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ دعویٰ اسی کا تھا کہ ہم بھی محبِ اہلِ بیتؑ ہیں۔

پس ان آیات کے پڑھنے کے بعد آیۂ مودۃ کا مفہوم بالکل صاف ہو گیا۔ ایک بات جو کل بھی عرض کر رہا تھا، وہ یہ کہ جب قرآن نے کہا ہے کہ یہ تمہارے ہی لئے ہے اور تمہارے لئے اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے تو کیا اب رسولؐ کا فرض نہیں ہے ان ذرائع نجات کو بتانا؟ رسولؐ کا کام ہے اللہ کی طرف دعوت دینا۔ تو جن ہستیوں کے ذریعہ اللہ کا راستہ ملے، رسولؐ کا بحیثیت رسول فرض ہے کہ ان کا وضاحت سے تعارف کروائیں اور اسی لئے دو آئمہ اہلِ سنت کا متفق علیہ ارشاد ہے، ایک امام احمد بن حنبل، یہ بھی آئمہ اربعہ میں سے ہیں

جیسے امام شافعی ایک ہیں، ویسے ہی امام احمد بن حنبل۔ دوسرے حافظ ابن معین۔ ان دونوں کا متفق علیہ ارشاد ہے جسے علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں درج کیا ہے:

"لَمْ يَرِدْ فِيْ حَقِّ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْفَضَائِلِ الصِّحَاحِ مَا وَرَدَ فِيْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام۔"

''صحابہ میں سے کسی کے بارے میں اس قدر معتبر اور مستند احادیث وارد نہیں ہوئیں جتنی حضرت علیؑ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں''۔

مگر عجب ستم ظریفی ہے کہ اسی کثرتِ فضائل کو بعض حضرات نے اس کے کمزور ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ عجیب منطق ہے۔ چونکہ بہت زیادہ فضائل ہیں، اس لئے اس کی اصلیت نہیں۔ بابائے اُردو جناب عبدالحق نے ایک کتاب لکھی ہے: ''چند ہم عصر''۔ یعنی اپنے دور کے عظیم لوگوں میں سے چند لوگوں کو منتخب کر کے ان کے حالاتِ زندگی تحریر کئے ہیں۔ ہمارے ہاں سرکاری امتحانات کے کورس میں اُردو کے شعبہ میں داخل ہے۔ ان شخصیات میں سے ایک شخصیت سید علی بلگرامی کی ہے۔ یہ واحد شیعہ شخصیت ہے جن کے حالات میں وہ تحریر کرتے ہیں۔ یہ راوی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے یا نہیں، ہمیں اس سے غرض نہیں۔ ہم تو بات کو دیکھتے ہیں، کہنے والا کوئی ہو، اُنہوں نے لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے لیکن بڑے انصاف پسند تھے۔ یہیں سے آپ تیور محسوس

کریں۔شیعہ تھے مگر بڑے انصاف پسند تھے وہ کہتے کہ پنجتنؑ کے بارے میں اتنی احادیث ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے رسولؐ اللہ کو کوئی اور کام نہ تھا، سوائے اس کے کہ ہر وقت بیٹی کی تعریف،نواسوں کی تعریف، داماد کی تعریف۔ بس ہر وقت جیسے یہی کام تھا۔پنجتنؑ میں رسولؐ اللہ بھی شامل ہیں۔دراصل بات باقی چاروں کے بارے میں ہورہی ہے۔تو جیسے رسولؐ اللہ کا یہی کام تھا اور کوئی کام نہیں تھا۔اس کے علاوہ دو چار حدیثیں ہوتیں تو ہم مان لیتے۔اتنی کثرت سے احادیث ہیں کہ ذہن قبول ہی نہیں کرتا۔

بعض اوقات اندازِ بیان ایسا ہوتا ہے کہ سننے والا اظہار خیال پر شرمندہ ہوجائے۔ چاہے کوئی شرمندہ ہو، میں تو شرمندہ نہیں ہوں گا، خواہ بلگرامی فرماتے، خواہ جنہوں نے لکھا ہے، وہ کہتے۔ میں یہ نہ دیکھتا کہ کس جماعت کا آدمی ہیں۔آپ کے ہاں غلط بات ہے تو بہرحال غلط بات ہے،کوئی بھی کہنے والا ہوتا، میں شرمندہ نہ ہوتا۔

جنابِ والا! یہ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ ایسا ہے جیسے کوئی بہت دفعہ پیغمبرؐ خدا کے پاس گیا ہو اور بعد میں آکر وہ کہے کہ ان کو تو کوئی کام ہی نہیں، بس ہر وقت قرآن پڑھا کرتے ہیں۔ جب بھی ان کے پاس گیا، قرآن پڑھتے دیکھا۔انہیں تو اس کے سوا کوئی کام نہیں ہے۔ بتایئے کہ شرمندہ ہوجانا چاہئے۔ کوئی یوں کہتا تو میں کہتا کہ جناب اسی قرآن کے پہنچانے کیلئے آئے ہیں یہ اس دنیا میں۔تو ہر وقت قرآن نہ پڑھیں تو کیا توریت پڑھیں؟ کیا انجیل پڑھیں؟ زبور پڑھیں؟ سرکار کی تصنیف کردہ کوئی کتاب پڑھیں؟ جس قرآن کو پہنچانے

کیلئے آئے ہیں، وہی کام کررہے ہے۔ میں قائل نہیں ہوا اور شرمندہ نہیں ہوا۔

ویسے ہی میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا سوال ایسا ہی ہے کہ ہر وقت قرآن پڑھا کرتے ہیں۔اسی کتاب کے پڑھنے کیلئے تو یہ بھیجے گئے ہیں تو اب ہر وقت اپنی اولاد ہی کی باتیں بیان کرتے رہتے ہیں۔تو قرآن کی جو تعلیم ہے، اُس کے ان سے زیادہ حسین مرقعے اگر اور کوئی ہوتے تو انہیں پیش کیا کرتے۔آجکل تو فن تعلیم بھی ایک علم ہو گیا ہے۔ باقاعدہ سکول ہیں، کالج ہیں جہاں معلم بنائے جاتے ہیں۔تعلیم دینا سکھایا جاتا ہے۔ اس میں ایک تازہ تحقیق ہے، ایک تصور ہے کہ تعلیم کے دو طریقے ہیں، ایک براہِ راست تعلیم اور ایک بغیر راہِ راست تعلیم۔ اور فیصلہ یہ دیا ہے کہ براہِ راست تعلیم اتنی کارگر ثابت نہیں ہوتی جتنی بالواسطہ۔ میں نے لفظ بدل دیا ہے۔ پرانے زمانہ کا طریقہ تھا کہ حروف تختی پر لکھے اور انہیں یاد کروانا شروع کردیا۔ یہ ہے براہِ راست تعلیم اور بالواسطہ تعلیم یا بغیر راہ راست تعلیم یہ ہے کہ وہ پھل دکھایئے جن میں وہ حروف آتے ہیں، وہ کھلونے دکھایئے جن میں وہ حرف آتے ہیں، وہ تصاویر دکھایئے جن میں وہ حرف آیا کرتے ہیں۔ یہ بالواسطہ تعلیم۔ بچہ سمجھے گا کہ ہم بس تصویریں دیکھ رہے ہیں یا کھلونے دیکھ رہے ہیں اور جب اس کا م نام یاد ہوگا تو وہ حرف یاد ہو جائے گا جو اس کے نام میں ہے۔

تو جب اس کو نام یاد ہو گئے تو اتنے حرف اس کو یاد ہو گئے۔ جو تعلیم کا مقصد تھا، وہ تفریح کے ذریعے پورا ہو جائے گا۔اسی کو کہتے ہیں کہ زیادہ کارگر ہے۔ بچے کیلئے ذہن نشین کرنا بہت آسان ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا کو یہ حال آج معلوم ہوا اور خدا اور رسولؐ کو دونوں طریقے پہلے سے معلوم تھے۔قرآن

پڑھا جاتا تھا۔ وہ براہِ راست تعلیم تھی اور جو صورتیں دکھائی جاتی تھیں، وہ بالواسطہ تعلیم تھی۔

ان ہستیوں کی ایک حیثیت رسولؐ کے قرابت داروں کی تھی اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف راستہ دکھانے والے ہیں اور یہ تعلیماتِ اسلام کا مرقع تھے۔ اس لئے اللہ کو مقصود تھا ان کے فضائل کا بیان ہونا اور مقصود تھا ان کی محبت کی تبلیغ کرنا۔

اب رسولؐ کے ایک افعال قرابت کی محبت کی وجہ سے ہیں اور رسولؐ کے ایک افعال اُس رشتہ کی وجہ سے ہیں جو ان کا اللہ کے ساتھ ہے۔ ہمیں یہ دونوں حیثیتیں رسولؐ کے افعال میں نظر آتی ہیں۔ شواہد کل پیش کئے تھے۔ دنیا والے بے شک کہتے پھریں، جس کیلئے تاویلیں ڈھونڈی جاتی ہیں اور آیتوں کے معنی میں علم آزمائی کی جاتی ہے، یہ اس وقت بھی کہا جاتا تھا کہ پیغمبرؐ خدا ان ہی چند آدمیوں کو بہت زیادہ نمایاں کرتے ہیں، خصوصاً اس ایک ذات کو ہر جگہ میدان میں بھیج دیتے ہیں۔ ہر بات میں وہی پیش پیش، ہر چیز میں وہی آگے آگے، کسی اور کو بڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ بیچارے خدمتِ دین کیلئے تڑپ تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔ نصرتِ اسلام کیلئے بیتاب ہوتے ہیں اور انہیں موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ ہمارا ایمان آیاتِ قرآنی کی پشت پناہی پر ہے کہ افعالِ رسولؐ سب اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوتے ہیں۔ مگر یہ دنیا کی زبان بندی کیلئے کسی وقت اللہ کی مصلحت ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ کے عمل کو اپنے عمل سے الگ کر کے دکھائے۔

چونکہ رسولؐ پر یہ الزام تھا کہ یہ آگے بڑھاتے ہیں تو اللہ کی مصلحت

اپنے رسولؐ کو اس الزام سے بری کرنے کیلئے اکثر یہ ہوئی ہے کہ رسولؐ کو خاص ہدایت نہ کی جائے اور خود ان کی طرف سے کام ہو اور پھر میری طرف سے اس کے متعلق میری ہدایت آئے تا کہ دنیا دیکھ لے کہ یہ رسولؐ کا ذاتی عمل نہیں ہے کہ آگے بڑھاتے ہیں۔ ورنہ ہر صاحبِ فہم غور کرے کہ اللہ بعد میں تو وحی بھیج سکتا تھا کہ سورۂ برات کی آیات کس کو دے کر بھیجئے، کس کے سپرد کیجئے۔ یہ پہلے ہی نہیں کہہ سکتا تھا؟ ماننا پڑے گا کہ خالق کی حکمت تھی کہ پیغمبرؐ خدا کسی اور کو بھیج دیں اور پھر میں واپس بلواؤں ورنہ (معاذ اللہ) خالق بے خبر رہا کہ وہاں یہ بھیجیں گے تو قبل سے جبرئیلؑ کیوں نہ آ گئے؟ قبل سے جبرئیلؑ آ جاتے تو رسولؐ کے عمل کا پتہ نہ چلتا کہ یہ خود بخل نہیں کرتے۔ اگر اُدھر سے رکاوٹ نہ ہو تو یہ کسی کو بھی آگے بڑھانے کیلئے تیار ہیں۔

لہٰذا جدھر سے شکوہ زیادہ ہو سکتا تھا، اُسے پیغمبرؐ نے بھیج دیا کہ مجھے کوئی ہدایت اس کے بارے میں نہیں ہوئی ہے۔ بے ضرر بات ہے جا کر آیات پڑھ دینا۔ مگر کیا کیا جائے کہ جبرئیلؑ امین اُترے، متفق علیہ حدیث امام نسائی بھی صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ہیں، ان کی مستقل کتاب ہے ''خصائص علویہ''، اُس میں اس کو کئی طرق سے وارد کیا ہے کہ جبرئیلؑ امین آئے اور رسولؐ سے فرمایا:

''لَا یُبَلِّغُهَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ جُزْءٌ مِنْكَ''۔

''یہ آپؐ نے کسی اور کو کیوں بھیج دیا؟ سوائے آپؐ کے یا کوئی ایسا

جو آپؐ کا جزو ہو، اور کوئی اسے نہیں پہنچا سکتا''۔

اب مجبوراً پیغمبرؐ خدا کہلواتے ہیں اور واپس بلواتے ہیں اور آیتیں اس کے سپرد کرتے ہیں جو اِن کا جزو ہے۔ جنابِ والا! ابھی تک تو دنیا رسولؐ سے رشتہ دیکھ رہی تھی اور میں نے اللہ سے قربت اور ایک طرح کا رشتہ دکھلایا۔ اب میں کہتا ہوں کہ دنیا کوئی رشتہ درِخیبر سے بھی ڈھونڈے کہ اس نے بھی قسم کھالی تھی کہ جب تک یہ نہیں آئیں گے، فتح نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم! اگر کسی غیر کا معاملہ ہوتا تو پیغمبرؐ خدا تبلیغ میں اتنی دیر نہ کرتے کہ آیت کو تیور بدل کر آنا پڑے کہ بس اب تبلیغ کر دیجئے، یہ نہ کیا تو کچھ کیا ہی نہیں۔

مجمع میں کون ایسا ہوگا جس کے قرابت دار نہ ہوں اور وہ قرابت داری کے تقاضوں کو نہ جانتا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب رسولؐ کے قرابت دار تھے۔ قرابت داری کا تقاضا کیا ہوتا ہے؟ مالِ غنیمت میں حصہ زیادہ دیا کرتے تھے، تو میں مانتا کہ اپنی قرابت داری سامنے ہے۔ یہ قرابت داری کا اچھا تقاضا ہے کہ ہر دفعہ موت کے منہ میں انہیں بھیج دیا جائے۔

جب اسلام پر مصیبت پڑی اور اس کو سب سے بڑی قربانی کی ضرورت پڑی، تب بھی اسی کو منتخب کیا گیا۔ اس عظیم ترین قربانی کیلئے، جسے کاندھے پر چڑھاتے تھے، جسے سینے پر سلاتے تھے۔ میں حالات کو دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ جتنی ان کی ناز برداریاں تھیں، وہ سب اسی لئے تھیں کہ یہ اُس اسلام کے کام آئیں گے جس اسلام کی تبلیغ میرا فریضہ ہے۔

# مصائب

اس کا ثبوت ہے کہ اگر اپنی محبت ہو، اپنے نواسے کی محبت متقاضی ہو تو رخسار بھی نواسوں کے ہیں، پیشانی بھی نواسوں کی ہے، جب بوسے لیتے ہیں تو ایک کا گلا چومتے ہیں اور ایک کے منہ کے بوسے لیتے ہیں اور جب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ اس کے منہ کے بوسے اس لئے لیتا ہوں کہ جامِ زہر اس منہ سے متصل ہوگا اور اس کے گلے سے بوسے اس لئے لیتا ہوں کہ قاتل کا خنجر اس گلے سے متصل ہوگا۔

پس اربابِ عزا! اگر ایک بھائی کا دہن مبارک اس کا حقدار ہوا کہ جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بوسے لیں اور ایک بھائی کا گلا اس کا حقدار ہوا کہ جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بوسے لیں، پھر ایک بہن کے بازو بھی اس لائق ہیں کہ آنحضور اس کے بوسے لیں اور یہ واقعہ بڑے دلدوز موقعہ پر ہمارے سننے میں آیا، وہ وقت وہ ہے کہ جب ابوالفضل العباس علیہ السلام رخصت کیلئے خیمے میں آئے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ یہ بھائی ایسا ہے کہ اس کے جانے سے مولاؑ کی کمر ٹوٹی اور زینبؑ کا دل ٹوٹا جب ابوالفضل العباسؑ میدان کی طرف جانے لگے تو حضرت زینبؑ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اب ہم جا رہے ہیں ۔ابھی تو بظاہر پانی لینے جا رہے تھے تو یہ کہا کہ پانی لینے جاتا ہوں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جو گیا، وہ واپس نہیں آیا تو عباسؑ بھی اب واپس نہیں آئیں گے۔ لہٰذا فرمایا کہ بھائی! جاتے ہو تو ایک حدیث سنتے جاؤ۔ لیجئے کہاں تو بیتابی کے ساتھ

جا رہے تھے اور کہاں سر جھکا کر بہن کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ اس لئے کہ ثانیِ زہراؑ حدیث سنانا چاہتی ہیں، فرماتی ہیں: بھائی! سنو ایک دفعہ بابا کی گود میں بیٹھی تھی۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ بابا سے کون مراد ہے؟ حضرت علیؑ یا پیغمبرؐ خدا، اس لئے کہ جب حسینؑ فرزندِ رسولؐ کہلاتے ہیں تو یہ رسولِؐ خدا کو اپنا بابا کیوں نہ کہتی ہوں گی اور کمسن ہیں تو ضرور جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بابا کہتی ہوں گی، تو بابا کی گود میں بیٹھی تھیں، اتنی کمسن ہیں کہ بزرگ کی گود میں بیٹھی ہیں۔

مگر خاندانِ رسالت کا انداز دیکھئے، عام طریقہ دیکھئے کہ کمسن لڑکی مگر اس کے بھی دوش پر رِدا ہے اور وہ جزوِ واقعہ ہے کہ میں بابا کی گود میں بیٹھی تھی کہ ایک مرتبہ رِدا میرے کاندھے سے ہٹ گئی تو بابا نے جھک کر میرے بازو کے بوسے لے لئے۔ فرماتی ہیں: میں کھڑی ہوگئی، کہا بابا! یہ آج آپ نے کیا کیا؟ فرمایا: زینبؑ! اس وقت مجھے تصور ہوگیا کہ ایک دن ان بازوؤں میں رسی بندھے گی۔ حضرت زینبؑ فرماتی ہیں: عباسؑ! اس وقت تو میں کمسن تھی، جب بڑی ہوئی اور گھر بھائیوں سے بھر گیا تو نہ جانے کب میں نے سوچا کہ جس کے اٹھارہ بھائی ہوں، کس کی مجال ہے کہ اس کے بازوؤں میں رسی باندھ سکے؟ اے عباسؑ! اور بھائی تو جا چکے، اب تم بھی جا رہے ہو، یقین ہوگیا کہ ان بازوؤں میں رسی بندھ جائے گی۔

اس مجمع کو مخاطب کر کے جو کربلا سے کوفہ تک اور کوفہ سے شام تک آباد سے آباد بازاروں میں اور پُر رونق سے پُر رونق سڑکوں پر تھا، سرِ حسین علیہ السلام گویا کہتا تھا: تماشہ دیکھو، تم تماشہ دیکھنے کو بلائے گئے ہو۔ گواہ رہنا کہ میں نے بیعت

نہیں کی ہے۔ اگر میں نے بیعت کی ہوتی تو میرا سر نوکِ نیزہ پر کیوں ہوتا؟ یہ میرے دل کے ٹکڑوں کے سر نوکِ نیزہ پر کیوں ہوتے؟ میرے اہلِ حرم کی اس طرح کیوں تشہیر ہوتی؟ بیمار بیٹا کیوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنتا؟ اس کے گلے میں طوق کیوں ہوتا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن لاشعوری طور پر غلط زعمِ فتح میں درحقیقت اپنی شکست کا اعلان کر رہا تھا۔

اربابِ عزا! جو اِن کا اصلی مقصد تھا یعنی احیائے شریعت، اس کو امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک بڑے سخت موقعہ پر ظاہر فرمایا۔ دمشق کا بازار اور دمشق کونسا؟ جسے آپ سے پوچھا گیا کہ کہاں سب سے زیادہ مصیبتیں پڑیں تو فرمایا: الشام، الشام، الشام۔ تیر و خنجر بھی سخت مصائب ہیں لیکن ایک تو طوق کی گرانی سے سر نہیں اُٹھتا اور میں کہتا ہوں کہ سر اُٹھا کر دیکھتے تو کیا دیکھتے!

دمشق کا بازار تھا، یہ واقعہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے، بازارِ دمشق میں جہاں بعد میں فرمایا کہ میں اس طرح کھینچا جا رہا تھا جس طرح غلام کھینچا جاتا ہے۔ اس بازار میں محمد بن طلحہ نے ناقہ کی مہار ہاتھ میں پکڑ کر روکا اور یہ سوال کیا: یا بن الحسینؑ! فتح کس کی ہوئی ہے؟ کس کی تاب ہے کہ اس سوال کا جواب دے سکے؟ فوراً چیخ مار کر رونے لگتا، مگر مقصد اتنا بلند تھا اور اُسے نمایاں کرنا ان کا فرض تھا، وہ سر جو نہیں اُٹھ رہا تھا، اُسے اُٹھایا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا: "مجھ سے اس وقت کیا پوچھتے ہو؟ جب اذان کی آواز آئے تو سمجھ لینا کہ کس کی فتح ہوئی؟"

❁❁❁❁❁